اسلام صلح و دوستی اور رافت و رحمت کا آئین

علی جان محمدی (قرہ باغی)*
ترجمہ: نثار احمد زین پوری

خلاصہ
اسلام، صلح و سلامتی کا دین ہے اور رحمت و مہربانی کا نقیب ہے اور اسلام کا زندہ و جاوید منشور قرآن، صلح و اصلاح کو انسان کی اجتماعی زندگی کی ضرورت سمجھتا ہے اور مسلسل اسی کی تاکید کرتا ہے۔ قرآن اور اہل بیتؑ کی روایات کے تناظر میں مسلمان، بھائی بھائی ہیں، قرآن اور روایات کی روشنی میں انہیں فرقہ وارانہ اور مذہبی اختلافات کو برطرف کرکے صلح اور امن کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اسلامی معاشرہ میں مختلف اقوام و مذاہب کے وجود سے اختلاف اور ٹکراؤ ناگزیر ہے لیکن اس اختلاف و ٹکراؤ کو مسلمانوں کی صفوں میں زیادہ شگاف کا باعث نہیں ہونا چاہئے، اسی لئے قرآن مجید نے مذاہب کے درمیان بلکہ ادیان کے بیچ صلح قائم کرنے کا دستور پیش کیا ہے۔ اس مقالہ کے پہلے حصہ میں ہم مفسرین کی رائے اور فریقین کی روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے ان چند آیتوں کا جائزہ لیں گے جو صلح کی اہمیت و ضرورت کو بیان کرتی ہیں اور مقالہ کے دوسرے حصہ میں عالمی سطح پر مذاہب و ادیان کے درمیان صلح قائم کرنے کے ان طریقوں کو پیش کریں گے جو قرآن کے تناظر میں بیان ہوئے ہیں۔

صلح اور اصلاحی پہلو کے متعلق اسلام کا نظریہ واضح ہے لیکن اس کے مقابلہ میں ایک بدترین نظریۂ تکفیر بھی ہے جس کو ساتویں صدی ہجری میں ابن تیمیہ نے وجود دیا تھا۔ انھوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں مسلمانوں کے تمام عقائد پر سوال اٹھائے ہیں اور ان کے کفر و ارتداد کا فتویٰ دے کر انھیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ ان کے ہم عصر علماء نے ان کے اس اقدام کی مذمت کی۔ پھر بارہویں صدی ہجری میں محمد بن عبدالوہاب نے آل سعود کی مدد سے اپنے افکار و خیالات کو دنیا میں منتشر کیا اس بنا پر ایک بار پھر

* موصوف جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ سے فارغ التحصیل ہیں اور مؤسسۂ تحقیقاتی حضرت ولی عصر عجل اللہ کے محقق ہیں۔

مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا اور مسلمانوں کے چند گروہوں کے درمیان یہ نظریہ آج بھی رائج ہے۔ ان کے طرفدار وحشی گروہ "وہابیت، القاعدہ، طالبان اور داعش" کی صورت میں ظاہر ہوئے ہیں اور مسلمانوں کو اس جرم میں قتل کر رہے ہیں کہ وہ ان کے عقائد کے مخالف ہیں۔ یہ لوگ ابن تیمیہ کے زمانہ سے آج تک اسلامی مذاہب کے ماننے والوں خصوصاً شیعوں کے کفر کا فتویٰ دے رہے ہیں جس سے اسلامی ممالک میں فتنہ و فساد برپا ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کے کفر کے سلسلہ میں انہوں نے جو فتاوے دیئے ہیں ہم ان کے چند نمونے ذیل میں درج کریں گے اور یہ ثابت کریں گے کہ یہ فتوے قرآن واحادیث کے خلاف ہیں۔

متصل بنیادی اصطلاحیں صلح، دوستی، رحمت، صلح کی اہمیت، مہربانی صلح کے طریقے کی وضاحت۔

مقدمہ

صلح و دوستی ایسے دلکش خوبصورت الفاظ ہیں جو آزاد خیال انسانوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل و متوجہ کر لیتے ہیں اور انھیں بے پناہ تازگی و فرحت بخشتے ہیں۔ لیکن وہابیت اور دوسرے چھوٹے گروہوں کی تکفیری تحریک نے اسلامی معاشرہ بلکہ عالمی امن وامان اور صلح و سلامتی کو متزلزل کر دیا ہے چنانچہ وہ ہر روز تکفیر کے حربہ سے مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں۔

مرحلۂ اول میں علمائے اسلام پر لازم ہے کہ وہ کمرِ ہمت باندھیں اور اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ مسلمانوں کو تکفیر کے جال سے نجات دلائیں اور اسلامی معاشرے کو تکفیر کی وباء سے پاک کریں۔ دوسرے مرحلہ میں لازم ہے کہ مذہب کے اختلافی مسائل کو، جو وہابیت کے لئے حربہ بن گئے ہیں، انھیں قرآن مجید کی روشنی میں مفاہمتی آمیز طریقوں سے حل کیا جائے تاکہ اسلامی معاشرے کو اس کا حقیقی سکون واطمینان واپس مل جائے۔

یہ مقالہ صلح و دوستی کے بارے میں قرآن کے دستور اور دین اسلام کو "صلح و دوستی، رأفت و مہربانی اور رحمت" کے آئین کے عنوان سے متعارف کروانے کے پیش نظر چند حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصہ میں موضوع "صلح و دوستی، رأفت و رحمت" کے لغوی و اصطلاحی معنی کو جامع صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے حصہ میں اسلام میں صلح کی اہمیت و ضرورت سے متعلق بحث کی گئی ہے اور اس کی اہمیت کو قرآن واحادیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ تیسرے حصہ میں مختلف معاشروں خصوصاً مذاہب و ادیان کے درمیان صلح و دوستی کی فضا ہموار کرنے کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ اس مقالہ کا زیادہ تر حصہ اسی حصہ پر مشتمل ہے۔ چوتھے حصہ میں شیعوں کے بارے میں وہابی مفتیوں کے کفر کے کچھ فتاوے

نقل کئے گئے ہیں جن میں اعلان جنگ کیا گیا ہے تاکہ سب پر آشکار ہو جائے، کہ یہ تکفیر کی تحریک، صلح و مفاہمت اور دینی بھائی چارہ کے خلاف ہے۔ اسی وجہ سے وہ پورے عالم اسلام میں ظلم و ستم کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں اور گروہ در گروہ مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہیں لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کے خطرہ کے بارے میں سنجیدگی سے غور کریں اور ان کے مقابلہ میں متحد ہو جائیں پھر قرآن و احادیث کے احکام وفرامین کی روشنی میں قومی، مذہبی اور گروہی اختلافات سے پہلو تہی کریں۔

۱۔ الفاظ کے لغوی و اصطلاحی معنی

تحقیق کے اسلوب کے تحت ہم پہلے اپنے موضوع کے الفاظ کے **لغوی و اصطلاحی معنی بیان کرتے ہیں۔**

۱/ ۱۔ لفظِ صلح کے معنی

۱/ ۱/ ۱۔ لغوی معنی

لفظ "صلح" اسم مصدر[۱] ہے اور اس کا مصدر "صلاح" ہے لغت میں اس کے معنی، فساد کی ضد لکھے ہیں اس کی جمع "صلحاء"[۲] ہے۔ لفظ "صلح" مصالحت، جنگ و جھگڑا ختم کرنے اور مد مقابل سے توافق کرنے کے ہیں۔[۳]

راغب کہتے ہیں: صلح کے معنی، مخصوص لوگوں کے درمیان سے نفرت و اختلاف کو بر طرف کرنا ہے۔[۴] تاکہ صلح کی وجہ سے اتحاد اور مفاہمت آمیز حالات پیدا ہو جائیں۔

۱/ ۱/ ۲۔ صلح کے اصطلاحی معنی

صلح کے متعلق کے پیش نظر، اصطلاح میں اس کے متعدد معنی ہیں:

الف: شرعی اصطلاح میں "صلح" ایک معاہدہ ہے جو متحارب فریقین کے درمیان ہوتا ہے اور یہ نص اور اجماع کی دلیل سے جائز ہے۔[۵] ممکن ہے یہ معاہدہ عین یا منفعت کی تملیک کے لئے ہو یا ٹکراؤ ختم کرنے کی بناپر ہو یا اپنا حق مفت دینے کی صورت میں ہو یا کچھ عوض لینے کی شکل میں ہو، یہ معاہدۂ صلح طرفین کو راضی کرنے کے لئے ایجاد کیا گیا ہے۔[۶]

ب: عرف عام اور سیاسی اصطلاح میں بھی "صلح" کے خاص معنی ہیں، یہ بین الاقوامی اور بین الممالک اختلافات اور جھگڑوں کو حل کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ صلح کے مقابلہ میں کوئی عوض معین کیا جائے یا معین نہ کیا جائے۔ "سلم" سین کے فتح اور کسر، بھی فریقین کے درمیان صلح کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[۷]

ج: کبھی مذاہب کو قریب لانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔
اس مقالہ میں لفظ صلح، صرف جنگ و جھگڑا ختم کرنے کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ اس سے وسیع معنی مراد لئے گئے ہیں، اس طرح یہ مذاہب کے درمیان علمی مسائل کے اختلاف کے حل کو بھی شامل ہے۔

۱/ ۲۔ دوستی کے معنی

۱/۲/ ۱۔ لغت میں

دوسرا لفظ دوستی ہے، عربی میں یہ "حُب" سے عبارت ہے۔ماہرینِ لغت جیسے "ابن منظور" نے لفظِ "حُب" کے معنی دوستی اور دوست رکھنے کے بیان کئے ہیں، "حُب" کی نقیض، بغض ہے جس کے معنی دشمنی ہیں اور "حِبّ" کسرکے ساتھ محبت و دوستی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے[۸] لہٰذا جب "احببتُ فلاناً" کہتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم اس کو دوست رکھتے ہیں۔[۹] ایک روایت میں امام صادقؑ نے بھی "حب" کو بغض کی ضد بتایا ہے۔[۱۰]

۱/ ۲/ ۱۔ اصطلاحی معنی

اصطلاح میں "حب" کے معنی قلبی میلان ہیں۔انسان کے نفس اور روح میں وہ چیز رچ بس جاتی ہے جس کی طرف وہ راغب ہوتا ہے۔ مازندرانی "شارح اصول کافی" کہتے ہیں: "حب" نیز محبت اور ضمہ و کسرہ کے ساتھ اس چیز کی طرف قلبی لگاؤ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جو اس سے میل کھاتی ہو۔[۱۱] اور وہ اکثر زبان سے اس کا ذکر کرتا ہے اور کبھی دل میں اسے یاد کرتا ہے۔[۱۲]
"بغض" بھی اصطلاح میں قلبی لگاؤ نہ ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کے ساتھ دشمنی یا کم سے کم کراہت اور نفرت بھی ہوتی ہے۔ سبزواری مرحوم نے "کفایۃ الاسلام" میں اصطلاحی لحاظ سے "بغض" کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔[۱۳]

۱/ ۳۔ لفظِ رحمت کے معنی

۱/ ۳/ ۱۔ لغوی اعتبار سے

اس لفظ کا مادہ "رحم" ہے اس کے معنی، رحمدلی اور مہربانی کے ہیں۔ بالفاظ دیگر "نرمی" ہے "مرحمت"

کے بھی یہی معنی ہیں۔[۱۴] بعض اہل لغت نے "رحم" کے معنی "رأفت" تحریر کئے ہیں جس سے بہت زیادہ مہربانی سمجھ میں آتی ہے۔ کیونکہ "رحمت" و رأفت میں فرق ہے۔[۱۵]

۱/ ۳/ ۲۔ اصطلاحی معنی

اس لفظ کے اصطلاحی اور لغوی معنی میں فرق نہیں ہے اور مد مقابل کے ساتھ نیکی کرنے کا تقاضہ کرتا ہے۔ یہ لفظ کبھی صرف مہربانی اور نرم دلی اور کبھی نیکی واحسان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: "رَحِم اللہ فلاناً" خدا فلاں شخص پر رحم کرے۔ اکثر یہ لفظ دعا کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور جب یہ لفظ خدا کی صفت کے عنوان سے استعمال ہوتا ہے تو محض احسان کے معنی میں ہوتا ہے اور رقت و رحم دلی کے بغیر نہیں ہوتا۔[۱۶]

بنابرایں، رحمت کے دو معنی ہیں: (۱) رِقّت قلب (نرم دلی) (۲)احسان و نیکی

۱/ ۴۔ رافت کے لغوی واصطلاحی معنی

رافت کا مادہ "رَأَفَ" ہے بعض لوگوں نے اس کے معنی رحمت مراد لیئے ہیں اور بعض نے رحمت کی کثرت و بہتات مراد لیئے ہیں لہٰذا یہ رحمت سے اوپر ہے۔[۱۷] رافت و رحمت میں یہ فرق ہے کہ رحمت کسی علت کی بنا پر اور بہ دل نخواستہ بھی ہوتی ہے۔ لیکن رافت جو کہ رحمت سے اوپر اور اس سے زیادہ دقیق و لطیف ہے اس میں کراہت و مصلحت کو دخل نہیں ہے۔[۱۸] کھلے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ رأفت کے معنی مہربانی، لطف اور ایسی خالص و انتہائی رحمت کے ہیں جو کراہت و مصلحت کی وجہ سے نہیں ہوتی ہے اور کیفیت کے اعتبار سے یہ رحمت سے زیادہ قوی ہے۔ رحمت، مطلق عطوفت و مہربانی کا نام ہے جو مصلحت کی بنا پر کی جاتی ہے خواہ اس میں کراہت بھی ہو، جیسے ڈاکٹر کا بیمار کو دوا دینا بھی ایک قسم کی رحمت ہے لیکن یہ لازم نہیں ہے کہ وہ دوا مریض کے میلان کے مطابق ہی ہو۔

۲۔ اسلام میں صلح کی اہمیت وضرورت

معاشرہ میں صلح قائم کرنا اور ایک دوسرے کا اعتماد حاصل کرنا قرآن کے اعلیٰ احکام میں سے ایک ہے اسی کے سایہ میں انسانی معاشرے کمال و کامیابی کی منزل پر پہنچ سکتے ہیں، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ صلح ایک اہم ترین راستہ ہے کہ جس کو طے کرکے انسان اجتماعی وسماجی زندگی کے روشن آفاق پر پہنچ سکتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے مفاہیم والے حصہ میں بیان کیا ہے کہ قرآن مجید نے کہیں لفظ "صلح"(۱۹) اور کہیں "سلم"(۲۰) استعمال کیا ہے کہ یہ بھی صلح کا مترادف ہے۔ یہ تعبیریں اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ انسانی معاشرہ کی روح جنگ وجدل و شدت پسندی سے میل نہیں کھاتی ہے لہٰذا حقیقی سکون کی فضا قائم کرنے کے لئے صلح کی ضرورت ہوتی ہے۔

۲/۱۔آیات قرآن کے تناظر میں صلح کی اہمیت

لفظِ "صلح" اور اس کے مشتقات قرآن مجید میں دسیوں بار استعمال ہوئے ہیں۔ لیکن اس مقالہ میں ہم بحث سے مربوط مواقع ہی کا ذکر کریں گے:

پہلی آیت:

دو بھائیوں، دو دوستوں کی کدورتوں اور دشمنیوں کو برطرف کرکے ان کے درمیان دوستی اور اتحاد و یگانگی قائم کرنا اسلام کا اہم ترین منصوبہ ہے جس کا تذکرہ اس آیت میں ہوا ہے: "فَاتّقوا اللہَ وَاَصلحوا ذاتَ بینکم واطیعوا اللہ ورسولہ ان کنتم مومنین"۔(۲۱) یہ آیت مال غنیمت کے سلسلہ میں صحابہ کے اختلاف کے بارے میں نازل ہوئی، اور غنیمت کا ایک مصداق انفال ہے۔

عبادہ بن صامت کی روایت کے مطابق جنگ بدر میں جب دشمن نے شکست کھائی اور مسلمانوں کے ایک گروہ نے انھیں قتل کرنے کے لئے ان کا تعاقب کیا، مسلمانوں کا ایک گروہ رسولؐ کے پاس رہا، بعض دشمن کے لشکر پر غالب آئے اور انہوں نے مال غنیمت جمع کیا، ان تینوں گروہوں کے درمیان اختلاف ہوگیا، ہر ایک خود کو مال غنیمت کا مستحق سمجھتا تھا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید کی اور ان میں صلح کرانے کا دستور دیا چنانچہ رسولؐ نے مال غنیمت کو ان کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کردیا۔(۲۲)

اس آیت کے مفہوم سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ "اصلاح ذات البین" دوستوں کے درمیان اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کرنا اور ان کے درمیان سے کدورتوں کو ختم کرنا اسلام کا اہم ترین منصوبہ ہے۔ اس آیت کا مفہوم شان نزول کے وقت سے مخصوص نہیں ہے۔ اس نکتہ پر ہم اس کی جگہ پر تیسرے حصہ میں ابن عباس سے نقل کریں گے۔

دوسری آیت:

مومنین کے درمیان جنگ و دشمنی بہت بری بات ہے اس لئے خدا نے ان میں صلح کرانے کے لئے

دوسری آیت میں فرمایا:

"اِن طائفتان من المومنین اقتتلوا فَاَصلحوا بینهما فان بغت احدٰهما علی الاُخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الیٰ امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینهما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین"۔ (۲۳)

اگر مومنوں کے دو گروہوں میں جنگ ہو جائے تو ان میں صلح کرا دو اگر (پھر) ان دونوں میں سے ایک دوسرے (گروہ) پر زیادتی کرے تو تم سب اس سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف لوٹے پھر اگر لوٹ آئے تو دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور ہر ایک کے ساتھ انصاف کرو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس آیت کی شان نزول کے بارے میں اہل سنت کے علماء نے دو روایتیں بیان کی ہیں۔ بعض روایات کا مفہوم یہ ہے:

رسول خدا اپنی سواری پر تشریف فرما تھے اور انصار کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ مدینہ کے مشہور منافق عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک پکڑ کر کہا: سواری کا راستہ چھوڑ دو، عبداللہ بن رواحہ نے کہا: رسولؐ کے حمار کے پیشاب کی بو تمہارے مشک و عنبر کی خوشبو سے بہتر ہے۔ رسولؐ تشریف لے گئے لیکن ان کے درمیان تو، تو میں، میں، شروع ہو گئی دونوں اوس و خزرج کے قبیلے و خاندان آگئے آپس میں لاٹھی ڈنڈے چلنے لگے۔ رسولؐ واپس آئے اور ان کے درمیان صلح کرادی۔ (۲۴)

دوسری روایت یہ ہے کہ رسولؐ کے عہد میں دو قبیلوں (اوس و خزرج) کے درمیان جنگ چھڑ گئی آپس میں لاٹھی ڈنڈے چلنے لگے، خدا نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

اس کے علاوہ دوسرے موارد بھی بیان کئے ہیں کہ اوس و خزرج کے درمیان اختلاف ہو گیا جس میں تکرار اور پھر لڑائی ہو گئی ان کی اصلاح کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ (۲۵) اہل سنت کے مفسر قرطبی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: اس آیت کا خطاب تمام مسلمانوں سے ہے کہ اگر ان کے درمیان نزاع ہو جائے تو وہ صلح کرانے کے پابند ہیں۔ (۲۶)

تیسری آیت:

ایک دوسری آیت میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی شمار کیا ہے اور ان کے درمیان صلح کرانے کو واجب قرار دیا ہے: "انّما المومنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم واتّقوا اللہ لعلکم ترحمون" (۲۷)

مومین آپس میں بھائی بھائی ہیں پس اپنے دونوں بھائیوں میں صلح کرادو اور خدا کا تقویٰ اختیار کرو ہو سکتا

ہے تم پر رحم کیا جائے۔

اس آیت کے بعد دوسری آیت نازل ہوئی اور دو مومنوں کے درمیان صلح کا حکم دیا ہے لہٰذا بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگرچہ یہ حکم اوس و خزرج کے درمیان صلح کرانے کے لئے آیا تھا لیکن اہل سنت کے اکثر مفسرین اسے اس واقعہ سے مخصوص نہیں جانتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اصلاح و صلح کا حکم تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔

اس جملہ "فاصلحوا بين اخويكم" کے بعد شوکانی لکھتے ہیں: "اخويكم" یعنی وہ تمام مسلمان جن کے درمیان عداوت و نزاع ہو اور یہ جو آیت میں تثنیہ ۔مضاف (اخویکم) ہے تو یہ اس نکتہ کی وضاحت کے لئے آیا ہے کہ دو سے زیادہ لوگوں کے درمیان صلح کرانا بطریق اولیٰ واجب ہے۔[۲۸]

ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں: جب دو لوگوں کے درمیان صلح و اصلاح واجب ہے تو زیادہ کے درمیان زیادہ واجب ہے۔[۲۹] "آلوسی" مندرجہ بالا مطلب کی تصریح کے ساتھ لکھتے ہیں کہ دو سے زیادہ لوگوں کے درمیان صلح کرانا زیادہ واجب ہے اس کی دلیل یہ ہے۔ فتنہ و فساد اتنا ہی زیادہ ہے نیز بیان کرتے ہیں: ایسی اصلاح اور صلح دینی اخوت کے سایہ میں ہی کی جا سکتی ہے۔[۳۰]

اس آیت میں اہم مسئلہ "اخوت" ہے اگر ساری دنیا کے مسلمان دینی اخوت کے محور پر ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور اپنے اختلافات کو حل نہیں کر سکتے تو پھر کوئی مشترک چیز ان کی مشکل کو حل نہیں کر سکے گی لیکن اس سے بھی زیادہ اہم بات اخوت دینی کے معیار کو جاننا ہے۔ کیا صرف مسلمان ہونے کا دعویٰ کافی ہے یا معین معیار سے مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے؟

اس سلسلہ میں فریقین کے علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص خدا کی وحدانیت اور محمدؐ کی رسالت کی گواہی دیتا ہے اور معاد (قیامت) کا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ مسلمان ہے۔ اس آیت کے ذیل میں اہل سنت کے مفسرین نے ایک بہت اچھی بات کہی ہے کہ:

جملہ "انّما المؤمنون اخوة" ایک عقد و عہد ہے جو خدا نے مومنین کے درمیان استوار کیا ہے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو بھی خدا، فرشتوں، آسمانی کتابوں، انبیاء اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ چاہے وہ مشرق میں ہو یا مغرب میں وہ اس آیت کی رو سے مومن ہے اور مومنوں کا بھائی ہے اس لئے مومنوں کو چاہئے کہ اس کے لئے وہی چیز پسند کریں جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں اور جو اپنے لئے پسند نہیں کرتے اسے اس کے لئے بھی پسند نہ کریں۔[۳۱]

چوتھی آیت:
اس آیت میں اصلاح کرنے کی اہمیت بیان ہوئی ہے اور نیکی و تقویٰ اور مومنوں کے درمیان صلح و اصلاح نہ کرنے پر سرزنش کی گئی ہے:
"ولاتجعلوا اللہ عُرضۃً لایمانکم أَن تبرّوا وتتّقوا وتُصلحوا بین الناس واللہ سمیع علیم۔"[۳۲]
اور خدا کو اپنی قسموں کی دستاویز نہ بناؤ کہ اس سے تم نیکیوں، پرہیزگاریوں اور لوگوں کے درمیان صلح و سلامتی قائم کرنے سے قاصر رہوگے اور خدا خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔
صلح اور اصلاح کرنے کی اتنی اہمیت ہے کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ لوگوں کی اصلاح نہیں کرے گا یا اپنے عزیزوں کے ساتھ صلہ رحمی نہیں کرے گا تو اس کی یہ قسم نیک کاموں میں مانع (و منعقد) نہیں ہوگی۔
اس آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر کوئی شخص نیک اعمال ترک کرنے کی قسم کھائے تو اس کی قسم کا کوئی اعتبار نہیں ہے (قسم کے خلاف یہ کام کر سکتا ہے) ورنہ "حنث قسم" قسم توڑنا جائز نہیں ہے۔
اہل سنت کے مفسرین کے نظریہ کے مطابق یہ آیت عبداللہ بن رواحہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس کا واقعہ یہ ہے "بشیر بن نعمان" عبداللہ کا بہنوئی تھا اور اس نے ان کی بہن کو طلاق دے دی تھی۔ اس پر عبداللہ بن رواحہ نے قسم کھائی کہ اب وہ بشیر کے پاس نہیں جائیں گے اور اس سے بات نہیں کریں گے اور اس کے اور اپنی بہن کے درمیان صلح نہیں کرائیں گے۔[۳۳] یہ آیت نازل ہوئی اور حکم ہوا کہ خدا کے نام کو قسموں کی قیمت کے بازار میں رکھ کر اس کی اہمیت کو کم نہ کرو۔
ہر چند یہ آیت کسی مخصوص واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کا حکم اور معنی اس کے شان نزول ہی میں منحصر نہیں ہیں بلکہ اس کا حکم عام ہے اور ہر زمانہ کے لئے ہے۔ یہ مفہوم لفظ "الناس" سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے کیونکہ یہ لفظ تمام انسانوں کو شامل ہے۔ اسی لئے مفسرین نے آیت کے حکم کو عام مانا ہے۔ اہلسنت کے مفسر "سمرقندی" نے لکھا ہے: "وتُصلحوا بین الناس" أی بین اخوانکم۔[۳۴] یعنی اپنے بھائیوں کی اصلاح کرو۔
پانچویں آیت:
اس آیت میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اگر جنگ میں مدمقابل، صلح کی پیش کش کرے تو اس کا استقبال کرنا چاہئیے "وان جنحوا للسّلم فاجنح لھا وتوکّل علی اللہ انّہ ھو السمیع العلیم۔"[۳۵]

"جنحوا" کے معنی ہیں: میل تمائل اور "سلم" کے معنی ہیں: مصالحت و مسالمت اور جنگ نہ کرنا "فاجنح" اگر وہ مصالحت کی طرف مائل ہیں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ۔ مفسرین نے اس آیت کے شان نزول کے بارے میں دو قول نقل کئے ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ یہ آیت قریش کے مشرکوں کے بارے میں (نازل ہوئی) ہے یعنی اگر وہ صلح کی پیشکش کریں تو تم اسے قبول کرلو جیسا کہ رسولؐ نے مشرکین مکہ کی درخواست پر حدیبیہ کے مقام پر کیا تھا اور اس بات پر صلح کی تھی کہ دس سال تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے چنانچہ کچھ شرطوں کے ساتھ یہ صلح ہوئی۔

دوسرا قول ایک تابعی مفسر "مجاہد" کے نظریہ کی بنیاد پر یہ ہے کہ یہ آیت "بنی قریظہ" اور "بنی نضیر" کے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[۳۶] کیونکہ اگر صلح کرنے میں مصلحت ہوگی تو یہ جہاد کی مانند ہے۔ کیونکہ جہاد کا مقصد شر کو دفع کرنا ہے یہ مقصد صلح کے ذریعہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔[۳۷] البتہ اس شان نزول کو بعض مفسرین، جیسے ابن کثیر وغیرہ قبول نہیں کرتے ہیں۔[۳۸]

چھٹی آیت:

اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصلاح کرنا خدا کے انبیاء کا شعار ہے۔

"وواعدنا موسیٰ ثلاثین لیلۃً واتممناھا بعشر فتم میقات ربہ اربعین لیلۃ وقال موسیٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی فاصلح ولا تتبع سبیل المفسدین۔"[۳۹] اور ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا پھر ہم نے اسے دس راتوں کے اضافہ کے ساتھ مکمل کیا اس طرح ان کے پروردگار نے چالیس راتوں میں وعدہ پورا کیا اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے فرمایا: تم میری امت کے درمیان میرے جانشین بن جاؤ اور ان کی اصلاح کرو اور فساد پھیلانے والوں کی پیروی نہ کرو۔

جب حضرت موسیٰ اپنے پروردگار کے میقات "کوہ طور" پر تشریف لے گئے اور جناب ہارون کو اپنی قوم میں اپنا جانشین معین کیا اور ان سے فرمایا: "اُخلفنی فی قومی" میری قوم میں میرے جانشین بن جاؤ "واصلح" مصلح (اصلاح و صلح کرنے والے) رہنا۔ بنی اسرائیل کے دینی امور کی اصلاح کرتے رہنا اور اگر ان میں سے کوئی فساد کی طرف بلائے تو اس کی بات نہ ماننا۔[۴۰]

حضرت موسی نے اس جملہ "واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین" میں سیاست کے بارے میں ایک جامع اور طویل المدۃ معیار بیان کردیا ہے اور وہ یہ کہ امت کی سیاست کا محور اصلاح کرنا ہے، عہد حاضر میں بھی

یہ دستور بشر کی متاع گمشدہ ہے۔

نتیجہ:

ان آیتوں سے درج ذیل نکات سمجھ میں آتے ہیں:

۱۔ اصلاح کرنا یعنی مسلمانوں کے باہمی اختلاف حل کرنا واجب ہے اور یہ بات "واصلحوا"، "فاصلحوا" اور "تُصلحوا" سے سمجھ میں آتی ہے۔

۲۔ جو لوگ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اندازی اور ان میں اختلاف پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ متقی و خداترس نہیں ہیں۔

۳۔ مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں اس لئے دو بھائیوں کے درمیان اختلاف و نزاع نہیں ہونا چاہئے، اگر خدانخواستہ ان کے درمیان اختلاف ہو جائے تو دوسرے مومنین پر واجب ہے کہ ان کے درمیان صلح کرائیں۔

۴۔ ہر معاشرہ میں اختلاف ناگزیر ہے، فطری بات ہے، اس سے محفوظ نہیں رہا جا سکتا ایسے واقعہ کے بعد صلح کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ بعبارت دیگر جب تک معاشرہ میں مکمل طور پر امن وامان کی فضا قائم ہے اور کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے اس وقت تک صلح و سلامتی کی اہمیت معلوم نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن اگر معاشرہ سے امن وامان ختم ہو جائے اور بجائے وحدت کے تفرقہ پڑ جائے تو صلح وامان کی اہمیت و ضرورت کو ہر شخص محسوس کرے گا۔ اس لئے مذکورہ آیتوں میں اس کی اہمیت و ضرورت کی تاکید کی گئی ہے۔ اسی پر درج ذیل آیت دلالت کر رہی ہے: "وَاطیعوا الله ورسوله ولاتنازَعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم واصبروا ان الله مع الصابرین"۔ [۴۱]

تاریخ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جس معاشرہ نے اختلاف سے پرہیز نہیں کیا اور نزاع و کشمکش میں مبتلا رہا مرور زمانہ کے ساتھ اس کی شان و شوکت ختم ہو گئی یا وہ مکمل طور پر نابود ہو گیا یا دوسری طاقتوں کا غلام بن گیا۔

اس حقیقت کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے:

"وَمَا کانَ رَبّکَ لیُهلکَ القریٰ بظلم واهلها مصلحون۔" [۴۲]

تمہارا پروردگار ان بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک نہیں کرنا چاہتا جس کے باشندے اصلاح کرتے ہوں۔

اس جہاں میں جو الٰہی سنتیں پائی جاتی ہیں ان کے مطابق ہر رونما ہونے والے حادثے کا ایک سبب لوگوں

کے اعمال و کردار ہوتے ہیں۔ اگر کوئی معاشرہ منصف و مصلح ہوگا تو خدا اسے اس کی پوری جزا عطا کرے گا۔
وَالّذین یُمسّکون بالکتاب وَاقاموا الصلوۃ انّا لا نضیع اجر المصلحین۔ (۴۳)
جو لوگ خدا کی کتاب سے تمسک رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں (ان کا بڑا اجر ہے کیونکہ) ہم اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ہیں۔
۵۔ صلح کروانے اور اصلاح کرنے کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کو ترک کرنے کی قسم کھائے تو اس قسم کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اگر کوئی اصلاح کر سکتا ہے تو وہ قسم کو بہانہ بنا کر اصلاح کو ترک نہیں کر سکتا۔

۲/۲۔ صلح کی اہمیت روایات کے تناظر میں

اس حصہ میں ہم اختصار کے ساتھ ان روایات کو سپردِ قلم کر رہے ہیں جو رسول اور ائمہ اطہارؑ سے نقل ہوئی ہیں۔
صلح کرانے اور امن وسکون کا ماحول بنانے کو خدا اور اس کے رسولؐ نے پسندیدہ قرار دیا ہے اس کا اظہار آپؐ نے اپنے صحابی "ابوایوب" سے اس انداز میں کیا تھا:
یَا اَبَا ایّوب الا ادلکَ علی عَمَل یَرضاہُ اللہ و رسولہ قال بلیٰ قال تصلح بین الناس اذا تَفَاسَدوا و تُقارِبُ بینَھُم اذا تباعَدُوا۔ (۴۴)
اے ابوایوب! کیا میں اس عمل کی طرف تمہاری رہنمائی کروں جس سے خدا اور اس کا رسول راضی ہوں؟ عرض کیا: ضرور بتائیے۔ فرمایا: جب لوگوں کے درمیان فساد ہو اور ان میں دشمنی ہو تو ان کے درمیان صلح کرادو اور جب ان میں دوری ہو تو ان کے درمیان قربت ایجاد کرو۔
اسی مفہوم کو دوسرے طریق وسند کے حوالہ سے بھی فرمایا ہے۔
"یَا اَبَا ایوب الا ادلکَ علیٰ صدقۃ یُحبّھا اللہ و رسولہ تصلح بین الناس اذا تباغضوا و تُفاسدوا۔" (۴۵)
اے ابوایوب کیا میں تمہاری ایسے صدقہ کی طرف رہنمائی کروں جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو پسند ہے جب لوگ ایک دوسرے کے بغض میں مبتلا ہوں اور ان میں فساد برپا ہو تو ان میں صلح کرادو۔
ابودرداء کی روایت کے بھائی رسولؐ نے فرمایا:
الا اخبرکم بافضل من درجۃ الصیام والصدقۃ والصلوٰۃ قالوا بلیٰ یا رسول اللہ! قال صَلاحُ ذاتِ البین وفساد ذاتِ البین وھی الحالقۃ۔

کیا میں تمہیں روزہ، صدقہ اور نماز سے افضل عمل سے آگاہ کروں؟ عرض کیا: ارشاد ہو اے اللہ کے رسولؐ! فرمایا: لوگوں میں صلح کرانا کیونکہ لوگوں کا آپسی ٹکراؤ ان کو نابود کرنے والا ہے۔(۴۶)

حضرت امیر المومنینؑ نے صلح کے بارے میں نہج البلاغہ میں تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

أُوصِيكُما وَجميعِ ولدِ واَهلِي وَمَن بَلَغَهُ كِتَابِي بتقوىٰ الله وَنَظْمِ أَمرِكُم وصلاحِ ذاتِ بينكم فإنِّي سمعتُ جَدَّكما صلى اللهُ عليه وآلِه يقول: صَلاحُ ذاتِ البين أفضَل من عامة الصلوٰة والصيام۔

تم دونوں (حسن و حسین) کو اور میرے دوسرے تمام بیٹوں کو اور میرے اہل خانہ کو اور جس تک میرا یہ نوشتہ پہنچے اسے میری وصیت ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کریں، اپنے امور کو منظّم کریں اور آپس کی رنجشوں کو ختم کرنا عام روزہ نماز سے افضل ہے۔(۴۷)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: صَدَقَةٌ يحبها الله اصلاح بَينَ الناس إذا تفاسَدُوا وَتَقارَبَ بينهم إذا تَباعدوا۔(۴۸)

جس صدقہ کو خدا دوست رکھتا ہے وہ لوگوں کی اصلاح کرتا ہے جب ان کے درمیان اختلاف و دوری ہو جائے اور جب وہ ایک دوسرے سے دور ہو جائیں تو انھیں ایک دوسرے سے قریب لاؤ۔

اہم ہدایات

آیات و روایات کے مجموعہ سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ معاشرہ میں صلح واصلاح ناگزیر ہے اگر اصلاح نہیں کی جائے گی اور لوگوں کا آپسی اعتماد بحال نہیں ہوگا تو مذہب اور تہذیبی اختلاف کا مداویٰ نہیں ہوگا۔ نتیجہ میں معاشرہ کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

آیات و روایات کے احکام پر عمل کرنا تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے مگر افسوس کہ آج نام نہاد مسلمانوں کا ایک گروہ دوسرے مسلمانوں کو اسلام سے خارج قرار دیتا ہے اور چونکہ دوسرے مسلمان اس گروہ کے عقائد کو قبول نہیں کرتے اس لئے وہ انھیں کافر کہتا ہے اور ان کی جان و مال کو مباح سمجھتا ہے۔

اس عہد میں وہابی ٹولہ، داعش کی شکل میں ظاہر ہوا ہے اور اسلامی ممالک میں دسیوں لاکھ مسلمانوں کی جان کے لئے خطرہ بن گیا ہے وہ ہر روز بے رحمی کے ساتھ مردوں، عورتوں یہاں تک کہ بچوں کا قتل عام کرتا ہے اس کے باوجود خود کو مسلمان اور رسولؐ کا سچا پیروکار کہتا ہے۔

وہابیت اور داعش انسانیت کے لئے ایک فتنہ ہیں کہ جس میں آج اسلامی معاشرہ مبتلا ہے وہ امت کی اصلاح کے نام پر اسے برباد کر رہے ہیں قرآن مجید ایسے فتنہ انگیز اور تکفیری عناصر سے جنگ کر کے اصلاح کرنے

کو لازم و ضروری جانتا ہے:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰی لاتکون فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّه لله فان انتهوا فانّ الله بما يعملون بصير"۔[۴۹]

ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور سارا دین اللہ کا ہو جائے، پھر اگر وہ (کفر) سے باز آجائیں تو بیشک خدا ان کے عمل کو دیکھ رہا ہے۔

۳۔ صلح کے طریقے اسلام کے تناظر میں

صلح، انسانوں کی باہمی مسالمت آمیز اور کدورت سے پاک زندگی کا ماحصل ہے۔ مفہوم صلح، مختلف موارد میں خاندان، دین یا ادیان کے پیروں نیز بین الاقوامی سطح پر قابل انطباق ہے۔ مقدس دین اسلام ان تمام موارد میں صلح کو خاص اہمیت دیتا ہے۔ قرآن مجید نے مختلف مواقع پر اس بات پر زور دیا ہے اور مسلمانوں کو صلح کرانے کا حکم دیا ہے۔

چونکہ خاندان میں صلح ہماری بحث سے خارج ہے اس لئے اس کی تفصیل و توضیح سے چشم پوشی کرتے ہوئے دوسرے موارد سے بحث کرتے ہیں:

۳/۱۔ صلح، اجتماعی سطح پر

معاشرہ اور سماج کا دائرہ خاندان سے بڑا ہے چونکہ معاشرہ، اقوام، گروہوں اور مذاہب سے تشکیل پاتا ہے، سماج میں مختلف آداب و رسم و رواج اور افکار و نظریات پائے جاتے ہیں یہ بھی فطری بات ہے کہ جس معاشرہ میں متعدد تہذیب و تمدن، رسم و رواج کے پابند اور مختلف مذاہب کے ماننے والے ہوں گے ان کے درمیان کسی نہ کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہوگا اور نتیجہ میں ان کے درمیان ٹکراؤ ہوگا، چنانچہ ایسے معاشروں میں سخت لڑائی اور ناقابل تلافی خونریز جنگیں بھی ہوئی ہیں بلکہ ایک نے دوسرے کو کافر بھی کہا ہے۔

چونکہ معاشرہ کے اجتماعی امن وامان اور بیرونی دشمنوں کے مقابلہ میں اتحاد و ہمدلی کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اختلافات اور نفرتوں سے پرہیز کیا جائے۔ صلح و آشتی سے اختلاف، اتحاد و ہمدلی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید نے صلح و آشتی اور امن و تفاہم کی فضا قائم کرنے کے لئے کچھ اصول بیان کئے ہیں مقالہ کے آخر میں ہم ان کی طرف اشارہ کریں گے۔

۳/ ۲۔ صلح، عالمی معاشرہ کی سطح پر

عالمی معاشرہ، ان معاشروں سے مل کر بنتا ہے جو اس کرۂ ارض پر زندگی گزارتے ہیں، ان کے مجموعہ کو عالمی معاشرہ کہتے ہیں۔ معلومات کے جو اسباب آج وجود میں آگئے ہیں ان سے دنیا عملی طور پر ایک گاؤں میں تبدیل ہو گئی ہے۔

معاشرہ چند اعتبار سے قابل تقسیم ہے ان میں سے ایک تقسیم دین و تہذیب کی بنیاد پر ہوتی ہے۔

اس تقسیم میں درج ذیل دو گروہ آتے ہیں:

الف: اسلامی معاشرہ، اسلامی معاشرہ سے مراد وہ معاشرے ہیں جو دین اسلام کے پیرو ہیں اس تقسیم میں زبان اور جغرافیہ کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا ہے۔

ب: غیر اسلامی معاشرہ، یعنی وہ معاشرے جو اسلامی معاشرہ کے علاوہ تمام ادیان کے ماننے والے ہیں یا ان ادیان میں سے کسی بھی دین کو نہ مانتے ہوں۔

۳۔ ۲۔ اسلامی معاشرہ میں صلح قائم کرنے کے اصول

معاشرہ اور ملک میں موجود اقوام، جماعتوں اور مذاہب کے درمیان صلح وآشتی قائم کرنے کے سلسلہ میں قرآن مجید اور روایات میں متعدد طریقے بیان ہوئے ہیں، اس حصہ میں ہم انھیں فہرست کی صورت میں پیش کرتے ہیں:

۳/۲/۱/۱۔ اختلاف کے نتائج کی وضاحت

صلح وآشتی قائم کرنے کا پہلا طریقہ، امتِ اسلامی کے درمیان رونما ہونے والے اختلاف و تفرقہ کے ضرررساں نتائج کو بیان کرنا ہے۔ درحقیقت یہ طریقہ، مومنوں کے درمیان اختلاف کے سد باب کا اصول بیان کرتا ہے، ارشاد ہے:

"وَاطیعوا اللّٰہ ورَسولہ ولا تَنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحُکُم واصبروا انّ اللّٰہ مع الصابرین"(۵۰) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور لڑائی جھگڑا نہ کرو کہ سست ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر واستقامت سے کام لو کہ خدا استقامت کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

ہر چند یہ آیت اختلاف سے بچنے اور دشمن سے مقابلہ کے بارے میں ہے لیکن آیت اسی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ایک قوم کے اندرونی، قومی، جماعتی اختلافات اور دشمن سے مقابلہ کے تمام مواقع کے بشمول ہے

اس آیت میں اختلاف کے دو نتیجے بیان ہوئے ہیں یعنی "فتفشلوا وتذهب ريحكم" سستی پیدا ہو جائے گی اور رعب ختم ہو جائے گا۔

لغت میں "فشل" کے معنی بزدلی اور کمزوری کے ہیں۔[۵۱] اس کا نتیجہ دشمن کے مقابلہ میں سست ہونا ہے اور "ریح" کے معنی لغت میں چلتی ہوئی ہوا کے ہیں۔ لیکن یہاں اس کے کنائی معنی غلبہ و فتحیابی ہے[۵۲] یعنی اگر دشمن کے مقابلہ میں اتحاد کو برقرار رکھا جائے تو فتح کا تحفہ ملے گا اور اختلاف رونما ہوگا تو اس کا نتیجہ سو فیصد شکست ہوگا۔

شیعہ و سنی مفسرین نے "اذھاب ریح" کے معنی ارادہ واختیار، عزت و شوکت، دولت و پائیدار[۵۳] قوت و قدرت[۵۴] اخوت و برادری،[۵۵] وحدت وہمدلی[۵۶] اور فتح وکامیابی تحریر کئے ہیں۔[۵۷] ایسا لگتا ہے یہ تمام معانی "اذھاب ریح" کا مصداق ہیں کیونکہ اگر بیرونی دشمن کے مقابلہ میں اختلاف ختم نہیں کیا جائے گا اور صلح و اتحاد نہیں کیا جائے گا تو مذکورہ تمام چیزیں ختم ہو جائیں گی اور دشمن کے مقابلہ میں یقینا شکست ہوگی۔

۱۳/ ۲/ ۱/ ۲۔ اسلامی اخوت کی ترویج

اس میں شک نہیں ہے کہ پوری تاریخ میں نسل پرستی، قومی دشمنی اور مذہبی تعصب جنگوں کا سبب بنا ہے سوال یہ ہے کہ اس مشکل کے پیش نظر، انسانوں کے ایک دوسرے سے قانونی روابط کے لئے اسلام نے کیا راہِ حل پیش کی ہے؟

قرآن مجید ابتداء ہی میں یہ بات تمام لوگوں کے گوش گزار کرتا ہے کہ خدا کے نزدیک تم سب محترم و مکرم ہو اور اسی وجہ سے تم خدا کی بہت سی مخلوقات پر فوقیت رکھتے ہو۔

"وَلَقَدْ كَرَّمنا بَنِي آدَمَ وَحَمَلناهُم فِي البرّ والبحر ورزقناهم من الطيبات وفضّلناهم علىٰ كثير ممن خلقنا تفضيلا"۔[۵۸]

مفسرین کہتے ہیں: انسان کی عظمت و بزرگی یہ ہے کہ خدا نے اسے قوت گویائی، عقل اور تمیز دے کر بہترین زاویہ اور خوبصورت انداز میں پیدا کیا ہے اور اسے روئے زمین کی مخلوقات پر تسلط دیا ہے۔[۵۹]

جب انسان کو تمام مخلوقات پر فوقیت حاصل ہے تو کیا اختلاف و تفرقہ اور خواہشات نفس کی پیروی اس کے لئے اچھی بات ہوگی؟!۔

قرآن مجید بعد والے مرحلہ میں اس کی وضاحت کرتا ہے کہ تمام انسان ایک ماں، باپ کی اولاد ہیں اور

اقوام و قبیلوں میں اس لئے تقسیم ہوگئے ہیں تاکہ پہچانے جائیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ خدا کا تقویٰ اختیار کرنے والوں کے علاوہ ایک کو دوسرے پر کوئی برتری نہیں ہے:

"یَاَیُّھَاالنّاس اِنّاخلقناکم من ذکرٍ وانثیٰ وجعلناکم شُعوباً وقبائل لتعارفوا، اِنّ اکرمَکم عنداللہ اتقٰکم ان اللہ علیم خبیر"۔ (۶۰)

اس کے بعد قرآن مجید امت مسلمہ کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ تم ایک ہی امت ہو:

"اِنّ ھٰذہٖ اُمّتکم اُمّۃً وّاحدۃً وانا ربّکم فاعبدون"۔ (۶۱)

بیشک یہ تمہاری امت ایک امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس میری عبادت کرو۔

چوتھے مرحلہ میں مومنوں کو مخاطب کرکے فرماتا ہے:

"انّماالمؤمنونَ اخوۃٌ فَاصلِحُوابَینَ اَخَوَیکم وَاتّقوااللہ لعلّکم ترحمون"۔ (۶۲)

حقیقت یہ ہے کہ مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرادو اور خدا سے ڈرو! امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ اس آیت میں مومنوں سے مراد تمام مسلمان ہیں۔ شیعہ و سنی مفسرین نے اس آیت سے ہر زمانہ میں اصلاح و صلح کو مسلمانوں کے لئے لازم جانا ہے، چنانچہ انہوں نے اس کی تصریح کی ہے:

شیخ طوسیؒ اس جملہ "اِنّما المومنون" کے بارے میں فرماتے ہیں: " الّذین یُوحّدون اللہ تعالیٰ ویعملون بطاعاتہ ویقرون بنبوّۃ نبیہ ویعملون بما جآءَ بہ"۔ (۶۳) مومن وہ لوگ ہیں جو خدا کی وحدانیت کا عقیدہ رکھتے ہیں، اس کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں، اس کے رسول کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں، اور جو احکام وہ خدا کی طرف سے لائے ہیں ان پر عمل کرتے ہیں۔

معاصر مفسر آیت اللہ العظمیٰ مکارم شیرازی فرماتے ہیں: یہ جملہ بنیادی نعرہ ہے جو اسلامی رنگ لئے ہوئے ہے، بہت رسا نعرہ ہے عمیق و موثر اور پر معنی ہے۔ دوسرے جب اپنے ہم مسلک لوگوں سے اظہار محبت و ہمدردی کرتے ہیں تو انھیں رفیق کہتے ہیں لیکن اسلام نے مسلمانوں کی دوستی کے رشتہ کو اس قدر بلندی پر پہنچا دیا ہے کہ دو (مختلف نسل و زبان کے) انسانوں کو قریبی رشتہ سے یاد کرتا ہے مساوات و برابری کے رشتہ کی بنیاد پر یاد کرتا ہے اور وہ ہے دو بھائیوں کا رشتہ، اس اسلامی اصل کی بنیاد پر ہر نسل، ہر قبیلہ، ہر سن و سال اور کسی بھی زبان کے مسلمان مضبوط رشتہ و برادری کا احساس کرتے ہیں خواہ ان میں سے ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں زندگی گزارتا ہو۔ (۶۴)

اہل سنت دانشور محمد بن ابوبکر زرعی اس آیت کی بنیاد پر اصلاح پسندی کے بارے میں جمہور اہل سنت کے عقیدہ کو بیان کرتے ہیں:

والجمہور یقولون: قد دَلّ الکتاب والسنّۃ والقیاس علیٰ صحۃ ھذا الصلح فان اللہ سبحانہ تعالیٰ ندب الیٰ الاصلاح بین الناس واخبر انّ الصلح خیر وقال: "انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم"۔ جمہور علماء کہتے ہیں مسلمانوں کے درمیان صلح کے صحیح ہونے پر قرآن، سنت اور قیاس دلالت کرتا ہے، کیونکہ خدا نے لوگوں کو اصلاح کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ صلح بہر طور خیر ہے۔ فرمایا: مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں اپنے بھائیوں کی اصلاح کرو۔[۶۵]

بنا برایں، آیت کے پہلے جملہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں، ان کے درمیان لڑائی جھگڑا، ایسا ہی ہے جیسے دو حقیقی بھائیوں میں نااتفاقی ہو جاتی ہے، اس لئے بہتر نہیں ہے کہ دو بھائیوں میں نزاع ہو ان کی زندگی کے صحیفہ کا عنوان صلح ہونا چاہئے نہ کہ اختلاف۔

رسولؐ نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے۔ رسولؐ کی یہ حدیث فریقین کی کتابوں میں نقل ہوئی ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: رسولؐ نے حجۃ الوداع میں خطبہ دیا اور بہت اہم باتیں بیان کیں منجملہ ان کے فرمایا: "المسلمون اخوۃ تتکافی دَماؤھم یسعی بذمّتھم اَدناھم ھم ید علیٰ من سواہ"[۶۶] مسلمان آپس میں بھائی ہیں، ان کا خون برابر ہے ان میں سب سے چھوٹے کا معاہدہ بھی سب کا معاہدہ ہے، غیروں کے مقابلہ میں انھیں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے۔

دوسری سند میں امام صادقؑ سے ہی منقول ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:" المومنون اخوۃ تتکافی دِماؤھم۔۔۔"[۶۷] (مومنین بھائی بھائی ہیں ان کا خون برابر ہے۔۔۔)۔

مذکورہ روایت کے علاوہ اہل سنت کے منابع ومدارک میں ابن عباس کے حوالہ سے رسولؐ کی حدیث نقل ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا: "اِنّ کلّ مُسلمٍ اَخو المسلم، المسلمون اخوۃ"[۶۸] مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

حبیب بن خراش سے منقول ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: "المسلمون اخوۃ لا فضلَ لِاَحدٍ علیٰ احد الاّ بالتقویٰ"[۶۹] مسلمان بھائی بھائی ہیں تقویٰ کے علاوہ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ہے۔

ان آیات وروایات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمان اور مومنین بھائی بھائی ہیں اور یہ ایک بدن کے اعضاء

کی مانند ہیں لہٰذا ان کے درمیان اختلاف و تفرقہ نہیں ہونا چاہئے۔ اگر کسی سے کوئی خطا ہو جائے تو اس کی اصلاح کی جانی چاہئے کیونکہ برادری کے ساتھ اختلاف اچھا نہیں لگتا۔

قرآن و حدیث کی رو سے ایک راہ حل یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اسلامی و دینی اخوت کو رائج کیا جائے۔ اس قرآنی مفہوم کی روشنی میں وہ ایک دوسرے کی حرمت و عزت کی حفاظت کر سکتے ہیں اور برادری کے اس رشتہ کو اور محکم بنا سکتے ہیں۔

رسولؐ کی سیرت میں دینی اخوت و برادری کی خاص اہمیت ہے۔ اسی لئے آپ نے مکہ و مدینہ میں اپنے اصحاب کے درمیان اخوت قائم کی تھی۔

۴/۳/۱/۲/۳۔ دو لڑنے والوں میں صلح کرانا

تاریخی حوادث پر توجہ رکھنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف و نزاع ایک ناگزیر امر ہے، ایسے حالات میں قرآن مجید ان کے درمیان ثالثی کرنے اور صلح و آشتی قائم کرنے کو واجب جانتا ہے چنانچہ متعدد آیتوں میں اس کی تاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"وَاِنْ طائِفتانِ من المُؤمنین اقتتلوا فاصلِحُوا بینهما فاِن بغَت احدٰهُما علیٰ الاخریٰ فقاتلوا التی تبغِی حتّٰی تفیءَ الیٰ امر الله فان فاءَت فاصلحوا بینهما بالعدل واقسطوا انّ الله یُحِب المقسطین۔" (۴۰)

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں تو ان کے درمیان صلح کرا دو اور اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے تم سب جنگ کرو۔ یہاں تک وہ حکم خدا کی طرف لوٹ آئے، اگر حکم خدا کی طرف لوٹ آئے تو ان دونوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ صلح کرا دو بیشک خدا عدل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس آیت میں خدا نے لفظ "فاصلحوا" کو دو بار استعمال کرکے صلح کرانے کو ضروری قرار دیا ہے۔ دوسری آیت میں فرماتا ہے: "انّما المومنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم واتقوا الله لعَلّکم ترحمون" (۴۱)

مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں ان میں صلح کرادو، امید ہے کہ اس سے تم پر رحم کیا جائے۔

نیز فرماتا ہے: "فاتّقوا الله واَصلِحوا ذات بینِکم واطیعوا الله و رسوله ان کنتم مومنین"۔ (۴۲)

ان دونوں آیتوں کی شانِ نزول پہلے بیان کی جاچکی ہے۔ یہاں اُن دو اہم باتوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو آیتوں سے سمجھ میں آتی ہیں:

۱۔ اس آیت کا مفہوم (حکم) شانِ نزول ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ یہ عام حکم ہے اور ہر زمانہ کے لئے ہے۔

صحابی رسولؐ اور بڑے مفسر، ابن عباس اسی بات کے ذیل میں اس بات کی تاکید کرتے ہیں اور کہتے ہیں:
"هٰذا تحریج مِنَ الله علی المومنین ان یتّقوا و یصلحوا ذات بینکم۔" (۷۳) خدا کی طرف سے مومنوں کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کریں اور اپنے درمیان صلح واصلاح کو رواج دیں۔
یہاں تک کہ ابن تیمیہ بھی اس آیت کی بنیاد پر مسلمانوں کے درمیان دلی محبت اور اصلاح کی تاکید کرتے ہیں اور آیت کے مضمون کو اس کی شانِ نزول میں محدود نہ سمجھتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:
وتَعلمون انّ من القواعد العظیمة الّتی هی من جماع الدین تالیف القلوب واجتماع الکلمة وصلاح ذات البین فان الله تعالی یقول "فاتقوا الله واصلحوا ذات بینکم۔۔۔" وامثال ذلک من النصوص التی تامر بالجماعة والائتلاف وتنهی عن الفرقةِ والاختلاف۔ (۷۴)
آپ لوگ جانتے ہیں کہ جو بنیادی چیزیں اجتماع واتفاق کا سبب ہوتی ہیں وہ قلبی محبت، وحدت کلمہ، لوگوں کے درمیان صلح وآشتی اور اصلاح ہے کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے: تقویٰ اختیار کرو، لوگوں کے درمیان صلح کراؤ، اس کے علاوہ اور بہت سی نصوص ہیں جو اتفاق واتحاد کا حکم دیتی ہیں اور تفرقہ واختلاف سے روکتی ہیں۔
۲۔ جس اسلامی معاشرہ میں اخوت ویک رنگی پائی جاتی ہے اس میں صلح وآشتی کی ضرورت ہے کیونکہ دینی اخوت وبرادری اختلاف سے میل نہیں کھاتی۔
۳۔ صلح کے علمبرداروں پر واجب ہے کہ مسلمانوں کے اختلافات کو حل کریں کیونکہ اول تو اختلاف کی وجہ سے مسلمانوں کی عزت وعظمت اور شان وشوکت برباد ہو جاتی ہے دوسرے اگر کسی معاشرہ میں اصلاح اور اصلاحی عمل انجام نہیں پاتا ہے۔ وہ سنت الٰہی کے مطابق عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید فرماتا ہے: "وَمَا کان ربّک لیهلک القریٰ بظلم واهلها مصلحون" (۷۵) خداوند عالم کسی قوم وملت اور شہر وبستی کو ظلم سے نابود نہیں کرتا ہے اگر اس میں اصلاح کرنے والے ہوں۔

۴/۲/۱/۲۔ مشترک اقدار کی تاکید
قرآن کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ صلح وآشتی اور اتحاد اسلامی کو رائج کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کے درمیان مشترک اقدار پر زور دیا جائے اور ان میں سے بعض کو بیان کیا جائے۔

۳/۲/۱/۴۔ اصول دین اور اسلامی اصول میں مسلمانوں کی وحدت

اسلامی مذاہب کے درمیان بہت سے اصول دین جیسے توحید، نبوت، قیامت اور فروعِ دین مشترک ہیں اگر وہ لوگ ان مشترک اقدار پر تمرکز کریں اور اپنے اختلافی مسائل کو علمی گفتگو کے ذریعہ حل کریں تو ان کے لڑائی جھگڑے ختم ہو جائیں اور صلح و اتحاد کا ماحول بن جائے۔

اصول و فروع دین میں اسی اشتراک کی بنیاد پر قرآن ساری اسلامی امتوں کو امت واحدہ قرار دیتا ہے۔ اور فرماتا ہے: "انّ هٰذه اُمّتکم اُمّةً واحدةً وانا ربّکم فاعبدون"(۷۶) اس آیت کا دوسرا جملہ بھی مسلمانوں کے مشترک توحیدی اعتقاد کو بیان کرتا ہے۔

۳/۲/۱/۴/۲۔ قرآن مجید اور اہل بیتؑ سے وابستگی بھی مسلمانوں کے اتحاد کا سبب۔

رسولؐ کے اہل بیتؑ سے محبت بھی مسلمانوں کے درمیان قدر مشترک ہے یہ بھی مسلمانوں اور اسلامی مذاہب کے پیرووں میں صلح و آشتی کا باعث ہو سکتی ہے۔ رسولؐ نے اپنے اہل بیتؑ سے محبت کو اپنی رسالت کا اجر قرار دیا ہے:

"قُل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودّة فی القربیٰ ومن یقترف حسنةً نزد له حُسناً ان الله غفورٌ شکور۔"(۷۷)

"لاأسئلکم" کی ضمیر مسلمانوں کی طرف پلٹتی ہے اس سے کسی خاص طبقہ کا مخصوص مذہب مراد نہیں ہے بلکہ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اے رسول! ان مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے اپنی رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا ہوں مگر یہ کہ تم میرے قرابتداروں سے محبت کرو۔

اہل بیتؑ سے وابستگی، وحدت و ہمدلی کا محور، ہدایت کا سبب اور خدا کے سیدھے راستہ پر قائم رہنے کا باعث ہے۔ اس لئے رسولؐ نے بارہا مسلمانوں سے یہ فرمایا کہ قرآن اور میرے اہل بیتؑ سے تمسک کرو، غدیر خم میں فرمایا:

"انّی قَد ترکتُ فیکم ما اِن اخذتُم بِهِ لن تَضِلّوا بعدی الثقلین احدهما اکبر منَ الاخر کتاب حَبلٌ ممدود من السماء الی الارض وعِترتِی اهلَ بیتی الا وانّهالَن یفترَقاحتی یردا علی الحوض"۔(۷۸)

میں نے تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑی ہیں ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے اگر تم لوگ ان سے وابستہ رہوگے تو میرے بعد ہر گز گمراہ نہ ہوگے ایک کتاب خدا ہے جس کا سلسلہ آسمان سے زمین تک ہے دوسری میری عترت ہے جو میرے اہل بیت ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ یہ دونوں جب تک میرے پاس

حوض کوثر پر نہیں پہنچیں گے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔
بعض روایات میں لفظ ثقلین کی جگہ "دو خلیفہ" یعنی جانشین کی لفظ آئی ہے:
"انّی تارکٌ فیکم خلیفتین کتاب اللہ حَبلٌ ممدودٌ ما بین السماء والارض او مِنَ السماء الی الارض وعترتی اهل بیتی وانهما لن یتفرقا حتّی یردا علیّ الحوض"۔ (۷۹)
روایات کی رو سے قرآن مجید کی طرح اہل بیتؑ بھی حبل اللہ ہیں خدا نے ان سے وابستہ رہنے کا حکم دیا ہے:
"وَاعتصِموا بحَبل اللہ جمیعاً ولا تفرّقوا واذکُروا نعمَتَ اللہ علیکم اذ کنتُم اَعداءً فالّفَ بین قلوبکم فاصبحتم بِنعمتِہ اِخواناً۔۔۔" (۸۰)
اہل سنت کے مفسر "ثعلبی" نے نقل کیا ہے کہ امام صادقؑ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: نحن حبلُ اللہ الذی قال اللہ "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا" (۸۱) اس آیت میں حبل اللہ سے مراد ہم ہیں۔

۱/۲/۳۔ مناظرہ اور شائستہ طریقہ سے علمی گفتگو

تاریخ اسلام اور اسلامی فرقوں کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ گذشتہ زمانہ سے آج تک مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان بعض دینی و اعتقادی مسائل میں اختلاف چلا آرہا ہے بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض مذاہب کے ماننے والوں نے اپنے عقائد کے اثبات کے لئے، دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے مقدسات کی توہین کی، مذاق اڑایا اور انھیں کافر تک کہا ہے۔ اس کا واضح نمونہ وہابی ہیں۔ یہ لوگ اپنی تحریروں تقریروں، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کے ذریعہ صرف شیعوں ہی کو نہیں بلکہ ان تمام مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں جو ان کے عقیدہ کے مخالف ہیں اور روز بروز دیگر مذاہب دینی و عقیدتی مسائل کا تحلیل و تجزیہ ذرائع ابلاغ کے ذریعہ نشر کرتے ہیں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف و نفاق کا بیج بوتے ہیں اور بسا اوقات انھیں ایک دوسرے کی جان کا دشمن بنا دیتے ہیں۔
ان حالات کے پیش نظر ضروری ہے کہ مذاہب کے ہوشیار علماء، دانشور اور سربراہ ایسے مسائل کو عالمانہ عادلانہ اور شائستہ گفتگو کے ذریعہ حل کریں اور دیگر مذاہب کے دینی مقدسات کی اہانت کا سدّ باب کریں۔
ایسے حالات میں قرآن مجید "جدال احسن" بہترین طریقہ سے گفتگو کو راہِ حل بتاتے ہوئے۔ فرماتا ہے:
"ادع الیٰ سبیلِ ربّکَ بالحِکمة والموعظةِ الحسنةِ وجادِلهُم بالّتی هی احسن۔۔۔" (۸۲)
ان کو اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے شائستہ طریقہ سے

بحث کرو۔

اسی طرح اہل کتاب سے گفتگو کے بارے میں فرماتا ہے:

"وَلا تجادِلوا اَھلَ الکتاب اِلا بالتی ھِیَ احسن"(۸۳) اہل کتاب سے شائستہ طریقہ سے بحث کرو۔

قرآن مجید مسلمانوں کو ناشائستہ گفتگو، گالم گلوج کرنے اور دوسرے مذاہب کے مقدسات کو برا بھلا کہنے سے روکتا ہے اور فرماتا ہے:

"وَلا تَسُبّوا الذین یَدعونَ مِن دون الله فیسبّوا الله عَدْوًا بغیر علم"۔ (۸۴)

اور جو لوگ خدا کو چھوڑ کر اوروں کو پکارتے ہیں انھیں بُرا نہ کہو کیونکہ وہ دشمنی اور نادانی میں خدا کو بُرا کہیں گے۔

ہر چند ان آیتوں کی شانِ نزول صدر اسلام کے مسلمانوں اور بت پرستوں کے درمیان ہونے والی منطقی گفتگو ہے لیکن (اس کا یہ سبق) اسی موقع سے مخصوص نہیں ہے، بلکہ یہ مذہب اسلام کے درمیان ہونے والی گفتگو کو بدرجہ اولیٰ شامل ہے۔ اس بنا پر اختلاف کا بہترین حل ایک دوسرے کے مقدسات کی اہانت سے بچتے ہوئے علمی و منطقی گفتگو ہے کیونکہ اس صورت میں مسلمانوں کی وحدت بھی محفوظ رہے گی اور علمی طریقہ سے اختلاف بھی ختم ہو جائے گا اور معاشرہ سے ارتداد و تکفیر کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔

۶/۱/۲/۴۔ مذاہب کو کافر کہنے سے پرہیز

صلح و آشتی قائم کرنے کے لئے قرآن مجید کا دوسرا اصول یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کو کافر کہنے سے پرہیز کریں۔ دینی متون کے لحاظ سے جو بھی خدا کی وحدانیت، محمدؐ کی رسالت اور روز قیامت (حشر و نشر) کا اعتقاد رکھتا ہے وہ مسلمان ہے اور اس کی جان و مال اسلام کی پناہ میں محترم و محفوظ ہے۔ اس لئے قرآن نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ: میں مسلمان ہوں تو اس پر کفر کی تہمت مت لگاؤ:

"یٰا ایّھا الذین اٰمنوا اذا ضربتم فی سبیل الله فتبینوا ولا تقولوا لِمَن القی الیکم السلام لَستَ مومناً تبتغون عَرَضَ الحیاۃ الدنیا فَعِند الله مغانم کثیرۃ کذٰلک کنتم من قبل فمنّ علیکم فتبیّنوا انّ الله کان بما تعملون خبیر"۔ (۸۵)

ایمان لانے والو! جب تم راہِ خدا پر چلو اور جہاد کے لئے سفر پر جاؤ، تو اچھی طرح تحقیق کرو۔ اور دنیا کا ناپائدار سرمایہ (مال غنیمت) حاصل کرنے کے لئے صلح و سلامتی کا اظہار کرنے والے کو یہ نہ کہو: "تم

مسلمان نہیں ہو" کیونکہ خدا کے یہاں تمہارے لئے بہت زیادہ غنیمت ہے۔ اس سے پہلے تم ایسے ہی تھے خدا نے تمہارے اوپر احسان کیا (تمہیں ہدایت دی) پس اس عظیم نعمت کے شکرانے میں، تحقیق کرو، خدا تمہارے اعمال سے اچھی طرح واقف ہے۔

یہ آیت راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کو یہ حکم دیتی ہے کہ اگر جنگ میں تمہارا مد مقابل مسلمان ہو جائے اور ایمان لے آئے تو اس کے مال کو غنیمت کے طور پر لینے کے لئے یہ نہ کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو۔ یعنی اسے کافر نہ کہو۔ اس آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جو لوگ مسلمان ہیں انھیں کافر کہنا بدرجہ اولیٰ منع ہے۔ جیسا کہ بعض شدت پسند اہل سنت اور وہابی ٹولے اپنے عقائد کے سبب شیعوں کو کافر کہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں دوسرے حصہ میں مزید وضاحت کی جائے گی۔

اسلامی منابع میں وارد ہونے والی روایات کے مطابق صرف اسلام قبول کرنا نئے مسلمان کے جان و مال کی حفاظت کا سبب ہوتا ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

اَلاِسلامُ یُحقِنُ بِہِ الدَّم وتودّی بہِ الاَمَانَۃ وَتستحل بہِ الفرُوجُ والثّوابُ علی الایمان۔ (۸۶)

اسلام سے مسلمان کے خون کی حفاظت ہوتی ہے، امانت ادا کی جاتی ہے، ازواج حلال ہوتی ہیں لیکن ثواب ایمان پر ملتا ہے۔ آپ ہی کا ارشاد ہے: الاسلامُ شَہَادَۃُ ان لا الٰہ الا اللہ والتّصدیق برسول اللہ بہ حقِنَتِ الدّماء وعلیہ جَرَتِ المناکحُ والمَوارِیثُ وَعَلیٰ ظاھرِہ جماعۃ النّاس۔ (۸۷)

اسلام یعنی یہ گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ رسولؐ خدا کی رسالت کی تصدیق کرنا، اسلام کے ذریعہ مسلمانوں کا خون محفوظ ہو جاتا ہے اسی بنیاد پر شادی بیاہ ہوتے ہیں اور میراث تقسیم ہوتی ہے اور عام لوگ بھی ظاہر اسلام کے مطابق چلتے ہیں۔

اہل سنت کی کتابوں میں نقل ہوا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:

"اُمِرتُ اَن اُقَاتِلَ النّاس حتّی یقولوا لا الٰہ الا اللہ فاذا قالوا لا الٰہ الا اللہ عصموا منّی دَمَاءھم واموالھم الا بحقھا وحسابھم علی اللہ" (۸۸) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں کافروں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ خدا کی وحدانیت کا اقرار نہ کرلیں جب وہ خدا کی وحدانیت کا اقرار کرلیں گے تو میری طرف سے ان کی جان و مال محفوظ ہو جائیں گے مگر یہ کہ کوئی دوسرا سبب پیدا ہو جائے۔ اور ان کا حساب خدا کے اوپر ہے۔

انھیں روایات کے مطابق سنّی اور شیعہ علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ جو لوگ زبان پر کلمہ جاری کرتے ہیں وہ مسلمان ہیں اور ان کے بارے میں تمام اسلامی احکام جاری ہوں گے۔

شہید اول، مسلمان کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

"والمراد بالمسلم مَن اظهر الشهادتين ولم يجحد ما علم ثبوته من الدين ضرورة"۔ [۸۹]

مسلم سے مراد وہ شخص ہے جو دو شہادتوں، خدا کی وحدانیت، رسولؐ کی رسالت، کا اظہار کرے اور جن چیزوں کو دین کی ضروریات قرار دیا گیا ہے، ان کے ضروری ہونے کے یقین کے ساتھ، ان کا انکار نہ کرے۔

امام خمینیؒ مذکورہ بالا روایات کے بعد فرماتے ہیں:

اِنّ الاسلام عبارة عن الشهادتين وبِهما حقنت الدّماء وجرت الاحكام وان كان الثواب على الايمان والفضل له۔ [۹۰]

اسلام خدا کی وحدانیت اور رسولؐ کی رسالت کی گواہی دینے سے عبارت ہے، جو شخص یہ گواہی دے گا اس کا خون محفوظ ہے اور اس پر اسلامی احکام جاری ہوں گے یہ الگ بات ہے کہ اجر و ثواب ایمان کی بنیاد پر دیا جاتا ہے۔

اہل سنت کے ایک عالم "قرطبی" لکھتے ہیں:

" واَمّا الاسلام فقبول ما اتى به النبي في الظاهر وذالك يحقن الدّم" [۹۱] اسلام رسولؐ کی ان تمام چیزوں کو قبول کرنا ہے جو آپؐ خدا کی طرف سے لائے ہیں اور اسی چیز سے مسلمان کے خون کی حفاظت ہوتی ہے۔

قرآن اور روایات کی ان تعلیمات کی بنیاد پر، مسلمان کو کافر کہنا قرآن، رسولؐ اور اہل بیتؑ کی روایات کے خلاف ہے۔

۲/۲/۳۔ عالمی معاشرہ میں صلح کا طریقہ

ابھی تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ صرف امت مسلمہ کے درمیان صلح کرانے کے طریقہ کے بارے میں تھا، اس کی دوسری قسم عالمی پیمانہ پر صلح کرانا ہے ہم جانتے ہیں کہ اس وسیع و عریض دنیا میں دین اسلام کے علاوہ دوسرے ادیان بھی ہیں اور دنیا کی آبادی کا کچھ فیصد دوسرے ادیان کے ماننے والے ہیں۔ دین اسلام کے ماننے والے دیگر آسمانی ادیان اور خدا کے انبیاء اور ان کی آسمانی کتابوں کو محترم سمجھتے ہیں لیکن دوسرے ادیان والے اسلام کو خاتم الادیان نہیں مانتے اور محمدؐ کو بھی خاتم الانبیاء نہیں تسلیم کرتے بلکہ آیات قرآنی کی رو سے خود ان کے درمیان اختلاف ہے اور دوسرے ادیان کے ماننے والوں کو کافر کہتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کو کافر کہتے تھے جس کو قرآن اس طرح نقل کرتا ہے:

"وقَالتِ اليهودُ ليستِ النصارىٰ علىٰ شيءٍ وقالتِ النصارىٰ ليست اليهود علىٰ شيءٍ وهمـ يتلون الكتاب كذالكَ قال الذين لا يعلمون مِثل قَولِهمـ فالله يَحكُمُ بينهمـ يومَ القيامة فيما كانوا فيه يختلفون۔"(۹۲)

یہودیوں نے کہا: (خدا کے نزدیک) نصاریٰ کی کوئی حیثیت نہیں ہے نصاریٰ نے بھی کہا: یہودیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے (وہ باطل پر ہیں) حالانکہ یہ دونوں ہی آسمانی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ انھیں ایسے تعصّبات سے پرہیز کرنا چاہئے۔ دوسرے نادان لوگ بھی (مشرکوں ہی کی مانند) انھیں جیسی بات کہتے ہیں۔ خدا قیامت کے روز اس چیز کا فیصلہ کرے گا، جس میں یہ اختلاف کرتے تھے۔

مسلمانوں کے نقطہ نظر سے دوسرے ادیان اپنے زمانہ میں برحق تھے لیکن اسلام کے آنے کے بعد وہ منسوخ ہوگئے، اب خدا کے بندے ان پر عمل نہیں کرتے، دیگر ادیان کے ماننے والے ایک دوسرے کو حق پر سمجھتے ہیں اور مدمقابل کو حق پر نہیں مانتے ہیں، اسی چیز سے مشکلیں کھڑی ہوتی ہیں آج کی دنیا میں بھی ہم اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ کبھی ادیان کے درمیان خونریز جنگیں بھی ہوتی ہیں، جبکہ بشر کو امان و سکون کی ضرورت ہے اور پرسکون ماحول، مسالمت آمیز اجتماعی زندگی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

امن وامان قائم کرنے اور ادیان و مذاہب کے درمیان صلح کرانے کے لئے قرآن مجید نے کچھ اصول اور طریقے پیش کئے ہیں ان میں سے بعض کو ہم اس حصہ میں بیان کریں گے۔

۳/۲/۲/۱/۱۔ دین و عقیدہ کے انتخاب کی آزادی

قرآن کے تناظر میں، اسلام خدا کا آخری دین ہے اور یہی تمام انسانوں کے لئے لائق تاسّی ہے گوناگوں آیتوں میں یہ بیان ہوا ہے کہ رسولؐ آخری نبی ہیں۔ ان کی رسالت عالمی ہے اور قرآن خدا کے تمام بندوں کے لئے آخری ضابطہ حیات ہے۔

پہلی آیت: "ما كان محمدٌ أبا أحدٍ من رجالكمـ ولكن رسولَ الله وخاتمـ النبيين وكان الله بكلِ شئ عليما"۔(۹۳)

محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور خدا ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

دوسری آیت: "وَاُوحِيَ اِلَيّ هٰذاالقرآن لانذركمـبه ومن بلغ"۔(۹۴)

اور اس قرآن کی مجھ پر وحی نازل کی گئی ہے تاکہ میں تم سب کو اور ہر شخص کو ڈراؤں جس تک قرآن پہنچے۔

تیسری آیت: "تبارکَ الذی نَزَّلَ الفُرقان علیٰ عبدہ لیکون للعالمین نذیراً"۔ [۹۵]
بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ (رسول) پر قرآن نازل کیا تاکہ وہ سارے جہانوں کے لوگوں کو ڈرائیں۔
چوتھی آیت: "وَمَا اَرسلناکَ الا کافّةً للناس بشیراً ونذیرا"۔ [۹۶] ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔
پانچویں آیت: "قُل یاایّھاالناس انّی رسولُ الله الیکم جمیعا۔" [۹۷]
اے رسول! لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔
دین اسلام، آخری دین ہے، اس کی کتاب آخری دستور العمل ہے اور اس کے پیغمبر، خاتم الانبیاء ہیں، قرآن مجید دین اسلام کو زبردستی قبول کرنے کو نہیں کہتا ہے "لااِکراہَ فی الدِین قد تبیّن الرّشد مِنَ الغیِ" [۹۸] دین اسلام کو قبول کرنے میں کوئی زبردستی نہیں ہے (کیونکہ) صحیح راستہ گمراہی سے جدا ہو چکا ہے۔ اس بناپر عقیدہ کے انتخاب اور دین اسلام کی پیروی کرنے میں کوئی شخص مجبور نہیں ہے۔
اس آیت کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے درج ذیل چند نکات کا ذکر ضروری ہے:
۱۔ دین اسلام کو قبول کرنے میں زبردستی نہیں ہے، اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دوسرے ادیان برحق ہیں یا ان کے پاس بھی انسان کی ابدی و اخروی کامیابی کے لئے کوئی منصوبہ ہے کیونکہ اسلام کے آتے ہی تمام ادیان منسوخ ہو گئے تھے۔ آخری دستور العمل دین اسلام ہے۔ قرآن مجید کی دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ خدا دوسرے ادیان کو قبول نہیں کرتا ہے:
"وَمَن یبتغ غیرَ الاسلام دینا فَلَن یقبل منه وھُوَ فی الآخرة مِنَ الخاسِرین"۔ [۹۹]
اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین لائے گا وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں ہوگا۔
۲۔ دوسری طرف خدا نے انسان کو ارادہ و اختیار دیا ہے اگر دین قبول کروانے میں زبردستی ہوگی تو پھر ارادہ و اختیار عبث ہوگا۔ درج ذیل آیت میں قرآن نے اسے بیان کیا ہے:
"وَلَو شَاءَ رَبّکَ لامنَ فی الاَرضِ کُلھم جمیعا افانَتَ تُکرِہُ الناس حتّی یکونوا مومنین"۔ [۱۰۰]
اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام زمین والے (بے اختیار) ایمان لے آتے پس کیا آپ لوگوں کو مومن بننے پر مجبور کرتے ہیں؟

اسی طرح دوسری آیت میں فرمایا ہے:

"وقُلِ الحقّ مِن ربّکم فمَن شاءَ فلیؤمن ومن شاءَ فلیکفر"۔ (۱۰۱)

اور اے رسول! ان سے کہہ دیجئے کہ دین حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے پھر جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کرلے۔

خدا نے دین کے انتخاب کے لئے انسان کو ارادہ واختیار سے نوازا ہے، دوسری طرف رسولِ اسلامؐ کو خاتم النبیین قرار دیا ہے اور ان کے دستور کو انسان کی زندگی اور اس کی کامیابی کا آخری دستور العمل بتایا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص اپنے ارادہ واختیار سے کافر ہو جائے تو اسے عقاب وعذاب دیا جائے گا۔

ان توضیحات سے اس آیت "وَمَن یبتغِ غَیرَ الاسلامِ دینا فَلَن یُقبَل مِنہ" اور آیت "لا اکراہ فی الدّین" کے ظاہری مضمون کی منافات بھی برطرف ہو جاتی ہے۔

۲/۳/۲/ ۲۔ادیان کے مشترک اصول پر تاکید

رسولؐ کی علی الاعلان تبلیغ و دعوت کے آغاز سے ہی دیگر ادیان کے ماننے والے رسولؐ کی مخالفت کر رہے تھےآپ ہی کو دین سے خارج کہتے تھے۔حالانکہ یہودیوں نے آپ سے صلح کی تھی وہ بھی خفیہ طریقہ سے آپ کے قتل کے درپے تھے۔

جب خدا نے یہ دیکھا کہ یہ قابلِ ہدایت نہیں ہیں تو رسولؐ کو حکم دیا کہ انھیں مسالمت آمیز زندگی اور مشترک اصل، توحید، کی طرف دعوت دیجئے:

"قُل یَااَھلَ الکتاب تعالوا الیٰ کلمة سواء بیننا وبینکم الا تعبدوا الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانّا مسلمون"۔ (۱۰۲)

اے رسول! اہل کتاب سے کہہ دیجئے کہ آؤ ہم اور تم اس بات پر اتفاق کرلیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان مساوی طور پر قابل تسلیم ہے اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی اور کی پرستش نہ کریں اور کسی بھی چیز کو اس کا شریک قرار نہ دیں اور ہم (خدائے واحد کے علاوہ) اپنے درمیان سے کسی کو خدا نہ مانیں۔ جب وہ اس (دعوت) سے روگردانی کریں توآپ کہہ دیں کہ تم گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔

قرآن مجید نے اس آیت میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ اگر بعض افراد تمہارے تمام مقاصد میں اتحاد نہ کریں تو کم از کم ان سے تم ان چیزوں کے بارے میں اتحاد کر سکتے ہو جو ان کے اور تمہارے درمیان مشترک ہیں اس طرح تم اپنے مقاصد کی تکمیل کا راستہ ہموار کر سکتے ہو، مثلاً رسولؐ نے روم کے اسقف کو

جو خط تحریر کیا تھا اس میں مشترک باتوں پر زور دیا تھا اور لکھا تھا:

فانّ عیسیٰ بن مریم روح اللہ و کلمتہ القاھا الیٰ مریم الزّاکیۃ وانّی اومن باللہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابراھیم واسماعیل واسحاق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النّبیون من ربھم لانفرّق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون والسلام من اتبع الھُدیٰ۔ (۱۰۳)

بیشک عیسیٰ بن مریم، روح خدا اور اس کا کلمہ ہیں جس کو خدا نے پاک و معصوم پر القا کیا ہے اور میں اللہ پر اور جو کچھ ہمارے اوپر نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کے بیٹوں پر نازل کیا ہے اور جو کچھ پروردگار کی طرف سے موسیٰ، عیسیٰ اور انبیاء کو عطا کیا گیا ہے۔ اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ان انبیاء کے درمیان ہم کسی تفریق کے قائل نہیں ہیں۔

قرآنی آیت کے مطالعہ کی روشنی میں دین کے اعلان و ابلاغ میں رسولؐ کے طریقۂ کار سے اسلام تیزی سے پھیلا اور نصف صدی سے کم عرصہ میں دین اسلام ایک بڑا دین بن گیا البتہ یہ طریقہ کار مستقل طور پر جاری نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ دوسرے اصول سے ٹکراؤ تھا یا بعض مواقع پر کفار کی عداوت و عناد کی وجہ سے تبلیغ کارگر نہیں ہوتی تھی، دوسری طرف کفار مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے تو رسولؐ بھی مجبوراً فوجی کاروائی کرتے تھے۔ اس بناء پر، موجودہ حالات میں رسولؐ کا یہ طریقۂ کار تمام مسلمانوں کے لئے ادیان و مذاہب کے درمیان صلح کروانے کے لئے نمونہ عمل ہے۔

۱/ ۲/ ۲/ ۳۔ نسل پرستی کی نفی اور تمام انسانوں کے مشترک ارمانوں پر اعتماد

قرآن کے نقطۂ نظر سے کسی کو کسی پر برتری نہیں ہے ان کے ماں، باپ ایک ہیں برتری کا سبب صرف تقویٰ ہے اس سلسلہ میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:

"یَا ایّھا النّاسُ انّا خلقناکُم من ذَکَرٍ وَانثیٰ وجعلناکُم شُعوبا وقبائلَ لتعارفوا انّ اکرمَکُم عِنداللہ اتقٰکم انّ اللہ علیم خبیر"۔ (۱۰۴)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور تمہیں خاندان و قبائل میں تقسیم کر دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ یہ چیزیں برتری کا معیار نہیں ہیں۔ خدا کے نزدیک تم میں سے وہی زیادہ مکرم و معزز ہے جو زیادہ متقی ہے بیشک خدا جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

اس آیت کے مطابق نسل و زبان اور قوم و ملت کا اختلاف صرف انسانوں کو پہچاننے کے لئے اور خدا کی نشانی ہے، بعض کی بعض پر فضیلت کی دلیل نہیں ہے۔ مگر افسوس کہ انسان عرصۂ دراز سے آج تک ایسی چیزوں

کو برتری کی دلیل سمجھتا ہے یہی وجہ ہے کہ انسان خون خرابے اور خانہ جنگی سے دوچار ہے۔
قرآن نے دوسری آیت میں، سارے انسانوں کو ایک امت قرار دیا ہے:
"کانَ النّاسُ اُمّةً واحدۃ فَبَعثَ اللہ النبیّینَ مُبشّرین ومُنذرین وانزَلَ معَھُمُ الکتابَ بْالحق لِیحکُمَ بینَ الناسِ فیما اختلفوا فیہ"۔ (۱۰۵)
شروع میں سارے لوگ ایک امت تھے (ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا رفتہ رفتہ معاشرے اور طبقات بنتے گئے اور ان کے درمیان اختلاف و تضاد پیدا ہوتا گیا اس وقت) خدا نے انبیاء بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو (نیک) اعمال پر (جنت کی) بشارت دیں اور (بداعمالی پر جہنم کے عذاب سے) ڈرائیں اور ان کے ساتھ برحق کتاب نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان چیزوں کے بارے میں حق کے ساتھ فیصلہ کریں جن کے بارے میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔
لفظ "الناس" یا "یا ایّھا الناس"، "یا بنی آدم" اور "یا ایّھا الانسان" تمام انسانوں کو شامل ہے، یہ لفظیں اس بات کی دلیل ہیں کہ نسل و نژاد اور قوم و قبیلہ کسی برتری کا سبب نہیں ہے اس لئے عالمی اور محکم و مضبوط صلح قائم کرنے کے لئے انسانوں کے درمیان مشترک ارمانوں اور مساوی انسانی حقوق پر اعتماد کیا جائے۔

۴/ ۲/ ۲/ ۱۳۔ ادیان کے درمیان مسالمت آمیز گفتگو

ہم بیان کرچکے ہیں کہ ایک دین کے متعدد مذاہب کے درمیان اختلاف ناگزیر ہے تو مختلف ادیان کے ماننے والوں میں بدرجہ اولیٰ اختلاف ہوگا قرآن نے اس سلسلہ میں بنیادی اصول پیش کیا ہے اور مشترک اصل توحید کی تاکید کرتے ہوئے شائستہ گفتگو کو مسائل کے حل کی کلید قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:
"وَلا تُجَادِلوا اھلَ الکتاب الا بِالتی ھی احسن الا الذین ظلمُوا منھُم وقُولُوا آمنّا بالذی اُنزلَ الینا وانزَلَ الیکم والٰھُنا والٰھُکم وَاحدٌ ونحنُ لہ مسلمون"۔ (۱۰۶)
اہل کتاب سے بس شائستہ طریقہ سے مجادلہ و مباحثہ کرو، ہاں جن لوگوں نے ظلم کیا ہے (ان سے کہہ دو) ہم ان تمام چیزوں پر ایمان لائے ہیں جو خدا کی طرف سے ہمارے اور تمہارے اوپر نازل ہوئی ہیں۔ ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم اس کی بارگاہ میں سراپا تسلیم ہیں۔
"جدال احسن" کا ایک واضح مصداق یہ ہے کہ ایک دوسرے کے مقدسات کی اہانت نہ کریں کیونکہ اگر ایسا کریں گے تو صلح و سلامتی کا راستہ ہموار نہیں ہوسکے گا۔ خدا کا یہ حکم ہے:
وَلا تَسُبّوا الذین یدعُونَ مِن دونِ اللہ فَیسبّوا اللہ عَدوًا بِغَیرِ عِلم کذالک زَیّنا لِکُلِ اُمّة عَمَلَھُم ثُمّ اِلیٰ

رَبِّهِم مَرجِعُهُم فَيُنَبِّئُهُم بِما كانوا يَعملون"۔ (۱۰۷)
جو لوگ خدا کے علاوہ اوروں کی عبادت کرتے ہیں، ان (کے معبودوں) کو برا نہ کہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی (ظلم و) نادانی کی بنا پر خدا کو برا کہیں۔ اس طرح ہم نے ہر امت کے عمل کو سجا دیا اس کے بعد اس کی بازگشت ان کے پروردگار کی طرف ہوگی اور انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا (اور انھیں جزا و سزا دے گا)۔
اس بنا پر ادیان کے اختلاف کو مشترک اقدار اور مسالمت آمیز گفتگو کے ذریعہ حل کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ عالمی صلح کی تجویز عزت واحترام کے ساتھ

اسلام نے شروع سے ہی صلح کے اصولوں کو محکم کیا ہے اور اس طرح بین الاقوامین صلح اور مسالمت آمیز اجتماعی زندگی کا راستہ ہموار کیا ہے۔ قرآن مجید مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ اگر دشمن صلح کرنا چاہتا ہے تو تم بھی صلح کا استقبال کرو:

"وَإن جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل على الله انّه هو السميع العليم"۔ (۱۰۸) جنحوا "جنح" سے مشتق ہے جس کے معنی کسی چیز کی طرف میلان و تمایل کے ہیں (۱۰۹) اور لفظ "سلم" سین کے کسر کے ساتھ یا "سَلم" (سین کے فتحہ کے ساتھ) کے معنی معنی صلح وآشتی کے ہیں۔ (۱۱۰) اس طرح آیت کے معنی یہ ہوں گے: اگر وہ جنگ سے دست بردار ہونے اور صلح کرنے کی طرف مائل ہیں (۱۱۱) تو تمہیں ان پر حملہ کرنے کا حق نہیں ہے ارشاد رب العزت ہے:

"فانِ اعتزلوكم فلم يُقاتلوكُم والقوا إليكم السّلمَ فما جَعَلَ الله لكم عليهم سبيلا"۔ (۱۱۲)
ایک دوسری آیت میں بھی صلح و مسالمت کا ذکر ہوا ہے۔ اس آیت کے مفہوم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صلح کرنا واجب ہے:

"يَاايّها الذين امنوا ادخلوا في السلم كافة ولا تتبعوا خطوات الشيطان انّه لكم عدوّ مبين"۔ (۱۱۳)
اے ایمان لانے والو! تم سب صلح و سلامتی (کے دائرہ) میں آجاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اس آیت میں دو اہم نکتے ہیں:

۱۔ صلح وآشتی صرف ایمان کے سایہ میں امکان پذیر اور محکم ہوتی ہے۔ مادی وسائل اور جنگی ساز و سامان

پر اعتماد کے سایہ میں نہیں۔ کیونکہ مادی دنیا اور اس سے وابستگی ہمیشہ ٹکراؤ اور جنگ وکشمکش کا سبب بنی ہے۔ اگر انسان کو ایمان کی طاقت اسے قابو میں نہ رکھے تو صلح ناممکن ہے۔

۲۔ صلح اسی صورت میں عاقلانہ ہے جب فریقین پس پردہ کی جانے والی شیطانی حرکتوں سے پرہیز کریں کیونکہ جو لوگ شیطانی وسوسوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور شیطان کے نقش قدم پر چلتے ہیں وہ صلح کو اپنی قوت کی تجدید اور اپنے منصوبہ کی تکمیل کا بہانہ بناتے ہیں۔

امیر المومنینؑ نے بھی نہج البلاغہ میں اس حقیقت کو آشکار کیا ہے:

"لا تدفعن صلحا دعاک الیه عدوّک ولله فیه رضی فَاِنّ فی الصلح دعة لجنودک وراحة من همومک وامنا لبلادک لکن الحذر کل الحذر من عدوّک بعد صلحه، فان العدو ربما قارب لیتغفل"۔ (۱۱۴)

جس صلح میں خدا کی رضا اور اس کی خوشنودی ہے، اور تمہارا دشمن تمہیں اس کی دعوت دے تو اسے رد نہ کرو کیونکہ صلح میں لشکر والوں کے لئے رنج وغم سے آسودگی اور تمہارے شہروں کے لئے امن وامان ہے لیکن صلح کے بعد دشمن سے مکمل طریقہ سے ہوشیار رہو کیونکہ دشمن کبھی غافل کرنے کے لئے صلح کی پیشکش کرتا ہے اور اس بہانہ سے قریب آتا ہے۔

نتیجہ:

قرآن مجید جو سارے انسانوں کے لئے سرچشمۂ ہدایت ہے اور بشر کی نجات کا آخری نسخہ ہے، اپنے سینہ میں گوناگوں قسم کے ماحول، خاندان، معاشروں، مذہبوں اور قوموں کے درمیان صلح وسلامتی قائم کرنے کے لئے، بنیادی اور عدل وعقل کے موافق اصول رکھتا ہے اگر انسان ان اصولوں کو ملحوظ رکھے اور ان پر عمل کرے تو یقینا عظیم کامیابی سے ہمکنار ہو جائے گا۔

ایک سوال کا جواب

جو آیتیں ادیان کے درمیان صلح وسلامتی کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں ان کے مقابلہ میں کچھ آیتیں ایسی بھی ہیں جو کافروں سے جنگ کرنے پر ابھارتی ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

"قَاتِلوا الّذین لا یومنون ولا بالیومِ الاخر ولا یُحرّمونَ ما حَرَّمَ الله ورسوله ولا یَدینون دینَ الحق مِن الذین اوتوا الکتاب حتّٰی یُعطُوا الجِزیةَ عن یدٍ وهم صاغرون"۔ (۱۱۵)

جو لوگ خدا اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ خدا و رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ دین اسلام کی پیروی کرتے ہیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ مغلوب ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دینے لگیں۔

"وقَاتِلوهم حتّٰی لاتکونُ فتنةٌ ویکون الدّینُ لله فان انتهوا فلا عُدوان الا علی الظالمین"۔ (۱۱۶)

اور ان لوگوں سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور اللہ کے دین کا بول بالا ہو جائے پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے علاوہ کسی پر زیادتی نہیں ہو گی۔

"یاایّها النّبی جاهِدِ الکفّار والمُنافقین واغلُظ علیهم ومَاوَاهُم جهنم وبئس المصیر۔" (۱۱۷)

اے نبی کافروں اور منافقوں سے جنگ و جہاد کرو اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

"وقَاتِلوا فی سَبیل اللهِ الذینَ یُقَاتِلونکم ولا تعتَدوا انّ الله لا یُحب المُعتدِین"۔ (۱۱۸)

اور راہِ خدا میں ان لوگوں سے جہاد کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں، ہاں ظلم نہ کرو کہ خدا ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

ان آیات کے علاوہ اسی مفہوم کی چند اور آیتیں ہیں جس کا قرآن سے مطالعہ فرمائیں۔

دوسری طرف اسلام کے نقطۂ نظر سے بعض ادیان چونکہ انبیاء کی رسالت کا عقیدہ نہیں رکھتے ہیں کافر و مشرک ہیں اور مذکورہ آیتیں کافروں سے جنگ کو جائز اور کبھی واجب قرار دیتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان لوگوں سے جنگ و صلح کی توجیہ کیسے کی جائے؟ ان آیتوں کے بارے میں چند جواب دئے جا سکتے ہیں:

۱۔ مذکورہ آیات کافر حربی (۱۱۹) سے جنگ کو جائز قرار دیتی ہیں اور ان آیتوں میں سے کسی آیت کی کسی بھی دلالت (مطابقی، التزامی اور تضمنی) سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو کافر اسلام کو قبول نہیں کرتے ہیں ان سے اس جرم میں جنگ کرنا واجب ہے خواہ ان کی طرف سے ظلم و دشمنی کا اظہار بھی نہ ہوا ہو۔ لہٰذا صرف اسلام قبول نہ کرنا کافروں سے جنگ کی دلیل نہیں ہے۔

۲۔ مذکورہ آیتوں اور صلح کے بارے میں نازل ہونے والی آیتوں میں مضائقہ نہیں ہے کیونکہ ان آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کبھی کبھی جنگ، صلح کا مقدمہ ہے یعنی جو گروہ فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کے درمیان نفاق کا بیج بونا چاہتے ہیں، انھیں سبق سکھانا چاہئے: "وقَاتِلُوهم حتّٰی لا تکونَ فِتنَة ویکونَ الدِّین لله" فتنہ و فساد کی آگ بجھا کر عالمی صلح کا راستہ ہموار کرنا چاہئے کیونکہ فتنہ و فساد کے

ہوتے ہوئے ہر گز صلح نہیں ہو گی۔
چونکہ اس مقالہ میں اختصار مدّ نظر ہے، لہٰذا بحث کے سلسلہ کو مزید آگے نہیں بڑھایا جاسکتا۔

اختتامیہ:

قرآن مجید اور روایات میں صلح اور اصلاح کرنے کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور اس کی بہت تاکید کی گئی ہے قرآن کریم اور روایات کی رو سے سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں اور دو بھائیوں کے درمیان اختلاف و نزاع نہیں ہونا چاہئے۔ جن آیتوں کو ہم نے دوسرے حصہ میں پیش کیا ہے، ان سے اصلاحات کی اہمیت و ضرورت بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔

اب اگر اسلامی معاشرہ اختلاف و نفاق میں مبتلا ہوتا ہے تو قرآن مجید نے اس سے نجات کے گرانقدر اصول بیان کئے ہیں، قرآن کے ان اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر قسم کا اختلاف حل کیا جاسکتا ہے۔

اگرچہ قرآن مجید اور احادیث نے امت مسلمہ کے درمیان صلح قائم کرنے کی بہت زیادہ تاکید کی ہے اس کے باوجود تکفیری نظریہ ابھر آیا آج چھوٹے چھوٹے گروہوں (وہابیت، داعش اور القاعدہ) میں ہر زمانہ سے زیادہ تکفیری رجحان بڑھا ہوا نظر آتا ہے یہ لوگ قرآن کی آیتوں اور فریقین کے نزدیک معتبر روایتوں کی تاکید و تعلیم کے برخلاف مسلمانوں (سنی و شیعہ دونوں) کو کافر، اور خود کو مسلمان کہتے ہیں۔ اس تحریک کا سرچشمہ ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کے نظریات ہیں۔ وہابی مفتی، عہد حاضر میں بھی انھیں دونوں کے نظریات کی بنیاد پر شیعوں اور دوسرے اسلامی مذاہب کے ماننے والوں کے قتل عام کا فتویٰ دیتے ہیں۔ چنانچہ شام، عراق، لبنان، افغانستان اور پاکستان وغیرہ میں ہر روز ہزاروں مسلمانوں کو صرف اس جرم میں قتل کیا جاتا ہے کہ وہ قرآن و اہل بیتؑ کی پیروی کرتے ہیں۔

تمام علمائے اسلام پر لازم ہے کہ تکفیریوں کے خطرناک نظریہ سے سب کو آگاہ کریں اور ان کا مقابلہ فیصلہ کن انداز میں اتحاد کے ساتھ کریں تاکہ ان کے ہاتھ سے مسلمانوں کو بچایا جاسکے۔

حوالے:

(۱) و"الصلح" اسم منه۔ فیومی، المصباح المنیر، ج۱، ص ۳۴۵

(۲) "صلاح" ضِدُّ الفساد۔۔۔ والجمع صلحا" محمد بن مکرم بن منظور افریقی، مصری، لسان العرب، ج۲، ص ۶۱۵

(۳) والصلاح، بالکسر، مصدر المصالحة والاسم الصلح یذکر ویؤنّث منه صلح الحدیبیة طریحی مجمع البحرین

ج ۲، ص ۳۸۸

(۴) راغب اصفہانی مفردات، ص ۴۹۰، والصلح یختص بازالۃ النّفار بین النّاس

(۵) حسن بن یوسف حلّی، تذکرۃ الفقہاء، ج ۲، ص ۱۷۷

(۶) سید ابوالقاسم الخوئی، منہاج الصالحین، ج ۲، ص ۱۹۲

(۷) احمد بن محمد فیومی، مصباح المنیر، ص ۲۸۷

(۸) ابن منظور، لسان العرب، ج ۱، ص ۲۸۹

(۹) علی بن محمد بغدادی، لباب التاویل فی معانی التنزیل، ج ۱، ص ۱۳۶

(۱۰) محمد بن علی، صدوق، خصال، ص ۵۹۰

(۱۱) محمد صالح مازندرانی، شرح اصول کافی، ج ۱، ص ۲۴۸

(۱۲) محمود عینی، عمدۃ القاری، ج ۲۰، ص ۲۰۳

(۱۳) محمد باقر سبزواری، کفایۃ الاحکام، ج ۲، ص ۵۳۷

(۱۴) لسان العرب ابن منظور، ج ۱۲، ص ۲۳۰

(۱۵) مقاییس اللغۃ، ج ۲، ص ۴۹۸

(۱۶) راغب اصفہانی، مفردات، ص ۳۴۸

(۱۷) محمد بن مکرم افریقی مصری، لسان العرب، ج ۹، ص ۱۱۲

(۱۸) طریحی، مجمع البحرین، ج ۵، ص ۶۱

(۱۹) "والصّلح خیر" انبیاء: ۱۲۸

(۲۰) "یاایّھا الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انّہ لکم عدوّ مبین" بقرہ، آیت ۲۰۸

(۲۱) سورۂ انفال، آیت ۱

(۲۲) حسن بن محمد قمی نیشاپوری، تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان، ج ۳، ص ۳۲۲

(۲۳) سورۂ حجرات، آیت ۹

(۲۴) کشاف، زمخشری، ج ۴، ص ۳۶۷

(۲۵) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۴، ص ۱۸۱

(۲۶) ایضا: ج ۱۴ ص ۱۸۱

(۲۷) سورۂ حجرات، آیت ۱۰

(۲۸) یعنی کل مسلمین تخاصما و تقاتلا وتخصیص الاثنین بالذکر لاثبات وجوب الاصلاح فیما فوقھا بطریق الاولی، شوکانی، فتح القدیر، ج ۵ ص ۶۳

(۲۹) اندلسی، البحر المحیط فی التفسیر، ج ۹ ص ۵۱۶

(۳۰) آلوسی، روح المعانی، ج ۲۶، ص ۱۵۱

(۳۱) عبدالرحمٰن بن ناصر آل سعدی تیسیر الکریم الرحمٰن، ص ۷۹۶ (ھذا عقد عَقَدہ اللہ بین المومنین انّہ اذا وجد من ایّ شخص کان فی المشرق الارض و مغربھا۔ الایمان باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاٰخر فانّہ اخ للمومنین اخوۃ توجب ان یُحبّ لہ المومنون مایحبّون لانفسھم، ویکرَھوا لہ مایکرھون لانفسھم)

(۳۲) سورۃ البقرہ، آیت ۲۲۴

(۳۳) آلوسی، روح المعانی، ج ۲، ص ۱۳۶

(۳۴) نصر بن محمد سمرقندی، "تفسیر السمرقندی"، ج ۱، ص ۱۷۴

(۳۵) سورۂ انفال، آیت ۶۱

(۳۶) محمد بن یوسف اندلسی، تفسیر البحر المحیط، ج ۴، ص ۵۰۹

(۳۷) عثمان بن علی ربیعی، تبیین الحقائق، ج ۳، ص ۲۴۵

(۳۸) اسماعیل بن عمر دمشقی، تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۳۲۳

(۳۹) اعراف، آیت ۱۴۲

(۴۰) زمخشری، الکشاف، ج ۲ ص ۱۴۲، محمد بن عمر رازی، التفسیر الکبیر، ج ۱۴، ص ۱۸۴

(۴۱) سورۂ انفال، آیت ۴۶

(۴۲) سورۂ ہود، آیت ۱۱۷

(۴۳) سورۂ اعراف، آیت ۱۷۰

(۴۴) طبرانی، المعجم الکبیر، ج ۸، ص ۵۲۷

(۴۵) عبدالعظیم منذری، الترغیب والترہیب، ج ۳، ص ۳۲۱

(۴۶) احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۴۴۴

(۴۷) سید رضی، نہج البلاغہ، ص ۷۷

(۴۸) محمد بن یعقوب کلینی، کافی، ج ۲، ص ۲۰۹

(۴۹) سورۂ انفال، آیت ۳۹

(۵۰) سورۂ انفال، آیت ۴۶

(۵۱) الفشل، الرجل الضعیف الجبان؛ افریقی مصری لسان العرب، ج۱۱، ص ۵۲۰

(۵۲) والریح معروف وھی فیما قیل، الھواء المتحرک--- وقد یستعار الریح للغلبة فی قولہ ﴿وتذھب ریحکم﴾
المفردات فی غریب القرآن، ج ۱ص ۲۰۶ راغب اصفہانی۔

(۵۳) تفسیر المیزان، علامہ طباطبائی، ج۹ ص ۹۵

(۵۴) بحار الانوار، ج۹۱ ص ۲۳۵

(۵۵) مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۴ ص ۴۷۶

(۵۶) البلاغ فی تفسیر القرآن بالقرآن، ص ۱۸۳

(۵۷) تفسیر القرآن العظیم، ج ۲ ص ۳۱۷

(۵۸) الجامع لاحکام القرآن، ج ۸ ص ۲۴

(۵۹) شیخ طبرسی، جوامع الجامع، ج ۲ ص ۳۸۵

(۶۰) سورۂ حجرات، آیت ۱۳

(۶۱) سورۂ انبیاء، آیت ۹۲

(۶۲) سورۂ حجرات، آیت ۱۰

(۶۳) شیخ طوسی، التبیان، ج۹ ص ۳۶۳

(۶۴) ناصر مکارم شیرازی "الامثل فی تفسیر کتاب اللہ المنزل"، ج ۱۶، ص ۵۴۱

(۶۵) محمد بن ابی بکر زرعی إغاثة اللھفان، ج ۲ ص ۲۶

(۶۶) امالی، شیخ صدوق، ص ۳۵۱

(۶۷) امالی، شیخ مفید، ص ۱۸۷

(۶۸) مستدرک، حاکم نیشاپوری، ج ۱ ص ۱۷۱، دلائل النبوۃ، بیہقی، ج ۵ ص ۴۴۹، تاریخ الاسلام، ج ۲ ص ۴۰۹

(۶۹) المعجم الکبیر، طبرانی، ج ۴ ص ۲۵، تفسیر القرآن العظیم ابن کثیر، ج ۴ ص ۲۱۸

(۷۰) سورۂ حجرات، آیت ۹

(۷۱) سورۂ حجرات، آیت ۱۰

(۷۲) سورۂ انفال، آیت ۱

(۷۳) عبداللہ القرشی، بغدادی، مدارۃ الناس، ج۱ص۱۲۰

(۷۴) ابن تیمیہ، کتب ورسائل وفتاویٰ ابن تیمیہ فی الفقہ، ج۲۸ص۵۱

(۷۵) سورۂ ہود، آیت ۱۱۷

(۷۶) سورۂ انبیاء، آیت ۹۲

(۷۷) سورۂ شوریٰ، آیت ۲۳

(۷۸) مسند احمد بن حنبل، ج۳ص۵۹

(۷۹) مسند احمد بن حنبل، ج۵ص۱۸۱ح۲۱۶۱۸

(۸۰) سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۳

(۸۱) تفسیر ثعلبی، ج۳ص۱۶۳

(۸۲) سورۂ نحل، آیت ۱۲۵

(۸۳) سورۂ عنکبوت، آیت ۴۶

(۸۴) سورۂ انعام، آیت ۱۰۸

(۸۵) سورۂ نساء، آیت ۹۴

(۸۶) اصول کافی، کلینی، ج۲ص۲۴

(۸۷) الکافی، ج۲ص۲۴

(۸۸) المصنف، ابن ابی شیبہ، ج۴ص۲۸۰

(۸۹) عاملی، الشہید الاول (ذکریٰ الشیعۃ فی احکام الشریعہ، ج۱ص۴۰۲

(۹۰) سید روح اللہ خمینی، کتاب الشہادۃ، ج۳ص۳۲۲

(۹۱) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج۱۶ص۳۴۸

(۹۲) سورۂ بقرہ، آیت ۱۱۳

(۹۳) سورۂ احزاب، آیت ۴۰

(۹۴) سورۂ انعام، آیت ۱۹

(۹۵) سورۂ فرقان، آیت ۱

(۹۶) سورۂ سباء، آیت ۲۸

(۹۷) سورۂ اعراف، آیت ۱۵۸

(۹۸) سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۶

(۹۹) سورۂ آل عمران، آیت ۸۵

(۱۰۰) سورۂ یونس، آیت ۹۹

(۱۰۱) سورۂ کہف، آیت ۲۹

(۱۰۲) سورۂ آل عمران، آیت ۶۴

(۱۰۳) محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۱ ص۲۷۶

(۱۰۴) سورۂ حجرات، آیت ۱۳

(۱۰۵) سورۂ بقرہ، آیت ۲۱۳

(۱۰۶) سورۂ عنکبوت، آیت ۴۶

(۱۰۷) سورۂ انعام، آیت ۱۰۸

(۱۰۸) سورۂ انفال، آیت ۶۱

(۱۰۹) ابن منظور، لسان العرب، ج۲ ص۴۲۸

(۱۱۰) "السِلمُ بِکَسرِ السّین" وَفتحها "الصلح" فیومی: مصباح المنیر، ص۲۸۷

(۱۱۱) وان جنحوا للسلم، ای مالوا الیٰ الصلح وترک الحرب، فاجنح لها، ای مل الیها واقبلها منهم وانما انث لان السلم بمعنی المصالحة، مجمع البیان، ج۴ ص۲۸۸

(۱۱۲) سورۂ نساء، آیت ۹۰

(۱۱۳) سورۂ بقرہ، آیت ۲۰۸

(۱۱۴) نہج البلاغہ، سید رضی، ص۱۰۶

(۱۱۵) سورۂ توبہ، آیت ۲۹

(۱۱۶) سورۂ بقرہ، آیت ۱۹۳

(۱۱۷) سورۂ توبہ، آیت ۷۳

(۱۱۸) سورۂ بقرہ، آیت ۱۹۰

(۱۱۹) کافران حربی، ان غیر مسلموں کو کہتے ہیں جو مسلمانوں سے جنگ کرنا چاہتے ہیں یا ان لوگوں کے حلیف ہیں جن سے

مسلمانوں کی جنگ ہو رہی ہے اور یہ مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کر رہے ہیں۔

منابع:

۱۔ **قرآن کریم۔**

۲۔ ابن ابی شیبہ کوفی، عبداللہ بن محمد، **الکتاب المصنف فی الاحادیث والاثار**، تحقیق: کمال یوسف الحوت، طبع اول: مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۰۹ق۔

۳۔ ابن عساکر دمشقی شافعی، علی بن حسن، **تاریخ مدینۃ دمشق و ذکر فضلھا و تسمیۃ من حلھا من الأماثل**، تحقیق محب الدین ابی سعید عمر بن غرامہ عمری، دارالفکر، بیروت ۱۹۹۵۔

۴۔ ابن کثیر دمشقی، اسماعیل بن عمر قرشی، **تفسیر القرآن العظیم**، دارالفکر، لبنان ۱۴۰۱ق۔

۵۔ ابی حیان اندلسی، محمد بن یوسف، **تفسیر البحر المحیط**، تحقیق شیخ عادل احمد عبد موجود، شیخ علی محمد معوض وغیرہ طبع اول: دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۲۲ق، ۲۰۰۱م۔

۶۔ احمد بن فارس بن زکریا، **معجم مقاییس اللغۃ**، تحقیق عبدالسلام محمد ہارون، طبع دوم: دارالجیل، بیروت ۱۴۲۰ق ۱۹۹۹م۔

۷۔ افریقی مصری، جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور، **لسان العرب**، طبع اوّل: دار صادر، بیروت [بی تا]۔

۸۔ آل سعدی عبدالرحمٰن بن ناصر، **تیسیر الکریم الرحمٰن**، مکتبۃ النہضۃ العربیۃ، بیروت ۱۴۰۸ق۔

۹۔ انصاری قرطبی، محمد بن احمد، **الجامع لأحکام القرآن**، دارالشعب، قاہرہ [بی تا]۔

۱۰۔ بخاری جعفی، محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، تحقیق د۔ مصطفیٰ دیب البغا، طبع دوم: دار بن کثیر، بیروت ۱۴۰۷ق ۱۹۸۷م۔

۱۱۔ بیہقی، احمد بن حسین بن علی، **دلائل النبوۃ**، طبع برنامہ الجامع الکبیر۔

۱۲۔ جواد بن سعید کاظمی، مسالک الافہام الی آیات الاحکام، کتاب فروشی مرتضوی، تہران ۱۳۶۵ا۔

۱۳۔ حاکم نیشاپوری، محمد بن عبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق مصطفیٰ عبدالقادر عطا، طبع اول: دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۱ھ ۱۹۹۰م

۱۴۔ حسینی زبیدی حنفی، محمد مرتضیٰ، **تاج العروس من جواہر القاموس**، تحقیق مجموعہ من المحققین، دارالہدایہ۔

۱۵۔ حلی، حسن بن یوسف، **تذکرۃ الفقہاء**، تحقیق مؤسسہ آل البیت لاحیاء تراث، طبع اول: مؤسسہ آل البیت، قم ۱۴۱۴ا۔

۱۶۔ راغب اصفہانی، حسین بن محمد، **المفردات فی غریب القرآن**، تحقیق محمد سید کیلانی، دارالمعرفہ، لبنان [بی تا]۔

۱۷۔ ز بن علی بن الحسن، **التبیان فی تفسیر القرآن**، تحقیق و تصحیح احمد حبیب قصیر عاملی، طبع اول: مکتب الاعلام الاسلامی،

۱۴۰۹ق [بی جا]۔

۱۸۔ زمخشری خوارزمی، محمود بن عمرو بن احمد جاراللہ، **الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل**، تحقیق عبدالرزاق المہدی، داراحیاء التراث العربی، بیروت [بی تا]۔

۱۹۔ زہری، محمد بن سعد بن منیع ابو عبداللہ البصری، **الطبقات الکبری**، دار صادر، بیروت [بی تا]۔

۲۰۔ سبزواری، محمد باقر، **کفایۃ الاحکام**، تحقیق شیخ مرتضی واعظی اراکی، طبع اول: موسسۃ النشر الاسلامی التابعۃ لجماعۃ المدرسین، قم ۱۴۲۳ا۔

۲۱۔ سید رضی، **نہج البلاغۃ**، تحقیق وشرح الشیخ محمد عبدہ، طبع اول: دار الذخائر، قم ۱۴۱۲ق ۱۳۷۰ش۔

۲۲۔ سیواسی، محمد بن عبد واحد، **شرح فتح القدیر**، طبع دوم: دارالفکر، بیروت [بی تا]۔

۲۳۔ شیبانی، احمد بن حنبل، **مسند احمد بن حنبل**، موسسۃ قرطبۃ، مصر [بی تا]۔

۲۴۔ شیخ المفید، محمد بن محمد بن النعمان، **أمالی**، تحقیق الحسین استاد ولی۔ علی اکبر غفاری، طبع دوم: دار المفید للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت ۱۴۱۴ق ۱۹۹۳م۔

۲۵۔ صادقی تہرانی، محمد، **البلاغ فی تفسیر القرآن بالقرآن**، قم ۱۴۱۹ق [بی نا]۔

۲۶۔ صدوق، محمد بن علی بن حسین، **الأمالی**، طبع اول قسم الدراسات الاسلامیۃ۔ مؤسسہ البعثۃ، قم ۱۴۱۷ق۔

۲۷۔ صدوق، محمد بن علی بن حسین، **الخصال**، تحقیق تصحیح و تعلیق علی اکبر الغفاری، منشورات جماعۃ المدرسین فی الحوزۃ العلمیۃ فی قم المقدسۃ، قم ۱۴۰۳ق ۱۳۶۲ش۔

۲۸۔ طبرانی، سلیمان بن احمد، **المعجم الأوسط**، تحقیق طارق بن عوض اللہ بن محمد، عبدالمحسن بن ابراہیم حسینی، دارالحرمین، قاہرہ ۱۴۱۵ق۔

۲۹۔ طبرانی، سلیمان بن احمد، **المعجم الکبیر**، تحقیق حمدی بن عبدالمجید السلفی، طبع دوم: مکتبۃ الزہراء ۱۴۰۴ق ۱۹۸۳م۔

۳۰۔ طبرسی، فضل بن حسن، **تفسیر مجمع البیان**، تحقیق لجنۃ من العلماء والمحققین الاخصائیین، طبع اول: موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، ۱۴۱۵ق ۱۹۹۵م۔ [بی جا]۔

۳۱۔ طریحی، فخر الدین، **مجمع البحرین**، تحقیق سید احمد حسینی، طبع دوم: مکتب النشر الثقافۃ الاسلامیۃ ۱۴۰۸ق ۱۳۶۷ش [بی جا]۔

۳۲۔ عاملی (شہید اول)، محمد بن جمال الدین مکی، **ذکری الشیعۃ فی أحکام الشریعۃ**، تحقیق موسسۃ آل البیت، طبع اول: مؤسسۃ آل البیت الاحیاء التراث، قم ۱۴۱۹ق۔

۳۳۔ عینی غیتابی حنفی، محمود بن احمد، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت [بی تا]۔
۳۴۔ فیومی، احمد بن محمد، مصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر للرافعی، المکتبۃ العلمیۃ، بیروت [بی تا]۔
۳۵۔ کلینی رازی، محمد بن یعقوب، الاُصول من الکافی، طبع دوم: اسلامیہ، تہران ۱۳۶۲ش۔
۳۶۔ مازندرانی، مولی محمد صالح، شرح اصول الکافی، تحقیق مع تعلیقات میرزا ابوالحسن شعرانی، ضبط و تصحیح سید علی عاشور، طبع اول: داراحیاء التراث العربی للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان ۱۴۲۱ق ۲۰۰۰م۔
۳۷۔ مجلسی محمد باقر، بحارالانوار، تحقیق محمد باقر بہبودی، طبع دوم: موسسۃ الوفاء بیروت ۱۴۰۳ق ۱۹۸۳م۔
۳۸۔ منذری، عبد عظیم بن عبد قوی، الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف، تحقیق ابراہیم شمس الدین، طبع اول: دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۷ق۔
۳۹۔ موسوی خمینی، سید روح اللہ، کتاب الطہارۃ، مطبعۃ مہر، قم [بی نا، بی تا]۔
۴۰۔ موسوی خوئی، سید ابوالقاسم، منہاج الصالحین، مدینۃ العلم، قم ۱۴۱۰ق۔
۴۱۔ نیشاپوری، حسن بن محمد بن حسین معروف بالنظام اعرج، تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان، تحقیق شیخ زکریا عمیران، طبع اول: دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۶ق ۱۹۹۶م۔